

# امت کے باہمی اختلافات

## اور ان کا حل (۱)

اتحاد و اتفاق کی اہمیت اور اختلاف کی مذمت عقل و نقل کی روشنی میں  
علماء و مشائخ اور دینی مدارس، اور مختلف جماعتوں کے باہمی اختلافات اور ان کا حل

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دو بگا ہر دوئی روڈ لکھنؤ

## تفصیلات

نام کتاب امت کے باہمی اختلافات اور ان کا حل (۱)  
افادات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ  
انتخاب و ترتیب محمد زید مظاہری ندوی  
صفحات ۲۳۲  
قیمت  
سن اشاعت اول ۱۴۳۷ھ

ویب سائٹ.....www.alislahonline.com

www.alislahonline.com

### ملنے کے پتے:

- ☆ دیوبند و سہارن پور کے تمام کتب خانے
- ☆ طوبی بک ڈپو، ندوی منزل، ندوہ روڈ لکھنؤ: 9871302976
- ☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء، ٹیکور مارگ، لکھنؤ، فون نمبر: 0522-2741225
- ☆ الفرقان بک ڈپو، نیا گاؤں (مغربی) لکھنؤ، فون نمبر: 0522-6535664
- ☆ مکتبہ رحمانیہ، تھورا، باندہ

## فہرست

مضمون	صفحات
تقریظات واکابر کے تاثرات	۱۰
مقدمہ حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ	۱۱
مقدمۃ الکتاب از مرتب کتاب	۲۱
باب ۱	
اتحاد و اتفاق سے متعلق آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ	۳۲
اتحاد قائم رکھنے کا حکم	۳۲
دو جماعتوں میں اختلاف ہو جانے کی صورت میں صلح کر دینے کا حکم	۳۳
اختلاف ختم کرانے اور صلح کرانے کا طریقہ	۳۴
آپس کا اتحاد و اتفاق اور باہمی الفت و محبت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے	۳۵
حق تعالیٰ کے چند وہ احکام جن کی رعایت نہ کرنے سے آپس میں اختلاف اور باہم کشیدگی پیدا ہوتی ہے	۳۶
رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات جن سے اتحاد و اتفاق قائم رہتا ہے اور جن کی رعایت نہ کرنے سے اختلاف و فساد ہوتا ہے	۳۷
رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات جن کی رعایت کرنے سے باہمی اختلاف و فساد سے حفاظت رہتی ہے ورنہ اختلاف کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں	۴۲
زبان کی حفاظت کی اہمیت	۴۸
چند وہ خصلتیں و عادتیں جن سے احتیاط بہت ضروری ہے	۴۸

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## اجمالی فہرست

باب ۱ اتحاد و اتفاق سے متعلق آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ	۵۱ تا ۳۲
باب ۲ اتحاد و اتفاق کی اہمیت و ضرورت	۷۳ تا ۵۲
باب ۳ اتحاد و اتفاق کے مختلف اسباب	۸۸ تا ۷۴
باب ۴ اختلاف اور نا اتفاقی کے اسباب جن سے بچنا ضروری ہے	۱۲۷ تا ۸۹
باب ۵ اتحاد و اتفاق کے باطنی اسباب	۱۵۵ تا ۱۲۸
باب ۶ اتحاد و اتفاق کے حدود	۱۷۷ تا ۱۵۶
باب ۷ اختلاف کے حدود و آداب	۱۹۹ تا ۱۷۸
باب ۸ اختلاف ختم کیجئے اور مرنے کی تیاری کیجئے	۲۱۵ تا ۲۰۰
باب ۹ مخالفین و معترضین کے جواب میں	۲۳۱ تا ۲۱۶

ان باتوں کا لحاظ رکھو بہت سے مفاسد اور فتنوں سے محفوظ رہو گے

## باب ۲

۵۲ اتحاد و اتفاق کی اہمیت و ضرورت اور باہمی اختلافات کے نقصانات

۵۲ اتحاد و اتفاق کی اہمیت و ضرورت پر سب کا اتفاق ہے

۵۳ امت میں اختلاف کی ابتداء

۵۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین دعائیں

امت سے جب اختلاف مٹے گا نہیں تو اتحاد و اتفاق کی کوشش کیوں کی

۵۵ جائے؟ ایک اہم اشکال اور اس کا جواب

کسی بات کی پیشین گوئی ہو جانے سے اس کا اختیار سے خارج ہونا لازم

۵۷ نہیں آتا

۵۹ چند اشکالات اور ان کے جوابات

۵۹ امت میں اختلاف باقی رہنے کی پیشین گوئی حکم تکوینی ہے تشریحی نہیں

۶۰ اسلام میں نظم و اتحاد باقی رکھنے کی اہمیت، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل

۶۱ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل

۶۲ آپس کا اتحاد و اتفاق اللہ کی بڑی نعمت ہے

۶۳ آپسی اختلاف سے دین و دنیا دونوں کا نقصان

۶۴ آپسی فساد سے دین کا بالکل صفایا ہو جاتا ہے

۶۵ باہمی اختلاف سے دین کا نقصان کیسے ہوتا ہے

۶۶ باہمی اختلاف سے قلب پر ظلمت چھا جاتی ہے اور سلب ایمان تک کا خطرہ

۶۶ ہو جاتا ہے

۶۸ دشمن کو کبھی بھی کمزور نہ سمجھنا چاہئے

۶۸ معمولی دشمنی سے پورا گھر جل کر خاک ہو گیا

۶۹ گالی دینے کی وجہ سے تین جانیں گھس گھس جڑ گیا

۷۰ غیبت سے دشمنی تک

۷۱ معمولی اختلاف سے عداوت

۷۲ دشمنی کا دینی و دنیوی نقصان

۷۲ ایسے انسان میں کوئی بھلائی نہیں جس کے اندر محبت کا مادہ نہ ہو

۷۳ اللہ واسطے محبت کرنے والوں کی فضیلت

## باب ۳

۷۴ اتحاد و اتفاق اور رنجش و اختلاف کے اسباب

۷۴ اتحاد و اتفاق کیلئے اس کے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے

۷۴ ہمارے کاموں میں استقلال نہیں اس لئے اتحاد و اتفاق میں بھی پائیداری نہیں

۷۶ اتحاد و اتفاق کی تدبیریں اور اس کے مختلف اسباب

۷۶ ملاقات اور نرمی اختیار کرنا

۷۷ سلام و مصافحہ کا اہتمام کرو اس سے محبت ہوتی ہے دل صاف ہوتا ہے

۷۷ آمد و رفت کا اہتمام

۷۸ ہدیہ کا لین دین

۷۸ برے برتاؤں کا بدلا اچھے برتاؤ کے ساتھ

۷۸ اگر دل نہ ملتا ہو تو بتکلف یہ تدبیریں اختیار کیجئے ان شاء اللہ ضرور اثر ہوگا

۷۹ اتحاد وہی باقی رہے گا جس کی بنیاد ایمان پر قائم ہو

۸۰ اتحاد و اتفاق وہی معتبر اور پائیدار ہوگا جو دینی حدود پر قائم ہو

۸۰ کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ ہو

- 81 سونے والوں کی نیند بھی نہ خراب کرو
- 81 اتنے زور سے ذکر و تلاوت نہ کرو جس سے لوگوں کی نیند خراب ہو
- 82 اتحاد و اتفاق کے لئے اپنی معاشرت بھی درست رکھو
- 83 حسن معاشرت اختیار کرو باہم الفت و محبت پیدا ہوگی
- 84 معاملات میں آزادی و وسعت
- 84 حقوق کی ادائیگی
- 84 دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر چپکے سے باتیں نہ کریں
- 85 دباؤ ڈال کر سفارش کے ذریعہ بھی کسی کو تکلیف نہ دو
- 85 معاملات صاف رکھو دل صاف رہیں گے
- 86 ڈرانے، دبانے اور ہیبت ڈالنے سے محبت نہیں ہوتی بلکہ تواضع و نرمی سے ہوتی ہے
- 87 سادہ معاشرت اور سادہ زندگی سے محبت ہوتی ہے
- باب ۲
- 89 اختلاف اور نا اتفاقی کے اسباب جن سے بچنا ضروری ہے
- 89 حکایت و شکایت پر یقین کرنے سے پہلے تحقیق کی ضرورت
- 90 باہم اختلاف کیسے ہوتا ہے
- 90 بلا تحقیق کے بات کہنے یا یقین کر لینے کا نقصان
- 90 اگر دوسرے کی شکایت صحیح اور غلطی واقعی ثابت ہے تب بھی نقل کرنے میں ہم خطرے میں ہیں
- 92 بغیر تحقیق کے محض سنی سنائی بات کی بنا پر کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں
- 93 علماء و مشائخ سے شکایت

- اہل مدارس اور علماء و مشائخ کے لئے ضروری ہدایت سنی ہوئی بات پر یقین
- 94 کرنے کا شرعی دستور العمل
- 95 حسن ظن کیلئے دلیل کی ضرورت نہیں سو ظن کیلئے دلیل کا ہونا ضروری ہے
- دوسروں کی شکایت سے اثر نہ لینے کے متعلق حضرت حاجی امداد اللہ
- 96 صاحب کی حکایت
- 97 دوسروں کی حکایت و شکایت کا میں کبھی اثر نہیں لیتا
- 98 شکایت سے اثر نہ لینے کے متعلق حضرت تھانویؒ کی ایک حکایت
- 99 تمام مردوں کو اہم نصیحت
- 99 اختلاف اور لڑائی کی بنیاد عموماً بدگمانی اور وہم پرستی پر ہوتی ہے
- 100 جس کی طرف سے بدگمانی اور شکایت ہو اس کے ساتھ کیا کرنا چاہئے،
- 101 بدگمانی حرام اور باہمی اختلاف کا ذریعہ ہے
- 102 بدگمانی کے نقصانات
- 103 بدگمانی کا علاج
- 103 بدگمانی، بدزبانی، عیب گوئی، عیب جوئی کا علاج
- 104 بدگمانی و بدزبانی حرام ہے جس سے سوء خاتمہ کا خطرہ ہے
- 105 اہل حق پر سب و شتم کرنے کا وبال
- 106 خبردار کسی کو حقیر مت سمجھو
- 107 مرد مسلم کا مقام مسجد اور خانہ کعبہ سے بھی افضل ہے
- 108 مرد مسلم و مؤمن کے ساتھ ہمارا غلط رویہ
- 109 مسلمانوں کو آپس میں متحدر ہونا چاہئے
- 109 حرص و لالچ اور خواہش نفسانی کا اتباع بھی اختلاف و فساد کا ذریعہ ہے

باہمی عداوت کا ایک بڑا سبب غیبت و پغلوخوری

عمومی مرض غیبت

احکام الغیبت

نا اتفاقی کا بڑا سبب زبان بے لگام

قلم اور تحریر کے ذریعہ عیب گوئی و عیب جوئی اور غیبت کا مشغلہ

غیبت کی ایک شاخ

پغلوخو کا علاج

اپنے کو اچھا اور دوسروں کو حقیر اور گنہگار سمجھنے کا مرض

دوسروں کے عیوب پر نظر کرنا

اپنی اصلاح کے بجائے دوسرے کی فکر میں پڑنا

حالات کی تفتیش اور عیب جوئی کا کس کو حق ہے

تجسس اور عیب جوئی کے احکام اور جواز کے مواقع

اصلاح کا طریقہ اور خیر خواہی کا تقاضا

اپنے کو بھول کر دوسرے کو الزام دینا

ہمارے اکابر کا انداز فکر، حضرت ذوالنون مصری کا حال

مولانا اسماعیل شہید کا حال

بعض فی اللہ کا ایک امتحان

## باب

اتحاد و اتفاق اور الفت و محبت کے باطنی اسباب

اتحاد و اتفاق اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے ہی سے پیدا ہوگا

حق تعالیٰ باہم الفت و محبت کیسے فرمادیتے ہیں

اتحاد و محبوبیت ایمان و عمل صالح میں منحصر ہے

ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے محبت پیدا ہوتی ہے

محبت کا باطنی سبب

محبت کا دوسرا باطنی راز

اعمال صالح کی وجہ سے محبوبیت کیوں ہو جاتی ہے؟

محبوبیت کے لئے تمام اسباب محبت کا جمع ہونا ضروری نہیں

اختلاف کا باطنی سبب حق تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے

اسلامی احکام پر عمل کرو، حقوق کی ادائیگی کرو یقیناً اتحاد پیدا ہو جائے گا

نماز و روزہ کو بھی اتحاد و اتفاق اور محبوبیت میں بڑا دخل ہے

پیرو مرشد اور بزرگوں سے اس قدر محبت کا راز

خلوص والی محبت اور دوستی کبھی ختم نہیں ہوتی

ایک اعتراض اور اس کا جواب

لوگ نیک اور دیندار شخص کے مخالف کیوں ہوتے ہیں

بددینوں میں اتحاد اور محبوبیت کی شان کیوں ہو جاتی ہے

تبلیغ کرنے اور نصیحت کرنے والوں سے لوگ کیوں نفرت کرتے ہیں

اتحاد و اتفاق کی اصل تواضع ہے

تواضع کی حقیقت

تواضع حاصل کرنے کا طریقہ

چھوٹا اور تابع بن جانا کوئی عیب کی بات نہیں

ایک تواضع نے پورا خاندان بچالیا اور تکبر نے پورا خاندان تباہ کر دیا

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

- ۱۵۰ ایک بزرگ کے تواضع کی حکایت
- ۱۵۱ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی متواضعانہ حکایت
- ۱۵۲ حضرت شاہ السخّ صاحب دہلویؒ کی حکایت
- ۱۵۳ سرسید احمد کی وسعت ظرفی
- ۱۵۴ مروت و صبر اور رعایت سے متعلق دو حکایتیں
- باب ۶
- ۱۵۶ اتحاد و اتفاق کے حدود
- ۱۵۶ ہر اتفاق مطلوب نہیں اور ہر اختلاف مذموم نہیں
- ۱۵۸ اس مسئلہ کی تفصیل کہ ہر اختلاف مذموم نہیں بعض اختلاف حق اور درست بھی ہوتے ہیں
- ۱۵۹ ایک دنیا دار و اعظا اور شہزادہ کی حکایت
- ۱۶۱ بعض علماء کے باہمی اختلاف کی وجہ سے سارے علماء سے بدگمانی صحیح نہیں ایسا اتفاق ہرگز مطلوب نہیں کہ اہل باطل باطل پر جسے رہیں اور اہل حق ان سے اتفاق کر لیں
- ۱۶۳
- ۱۶۶ اختلاف محمود و مذموم کا معیار اور اختلاف رحمت کا مصداق
- ۱۶۷ شریعت میں کون سا اختلاف مذموم ہے
- ۱۶۸ فساد کے معنی
- ۱۶۹ اختلاف کے محمود و مذموم ہونے کا معیار
- ۱۶۹ اختلاف کی وجہ سے فریقین اور پوری جماعت سے بدگمان ہونا صحیح نہیں
- ۱۷۰ فیصلہ کرنے اور صلح کرانے کا طریقہ
- ۱۷۱ اختلاف کی صورت میں فریقین سے بدگمان ہونا صحیح نہیں

- ۱۷۲ کون سی نا اتفاقی مطلوب ہے
- ۱۷۲ ایسے اتفاق سے دینداروں کو الگ ہو جانا چاہئے
- ۱۷۳ اتحاد و اتفاق کی عقلاً تین صورتیں
- ۱۷۴ ایک علمی اشکال اور اس کا جواب
- ۱۷۵ اصلاح کس اتفاق سے ہوتی ہے
- اتحاد و اتفاق اور اخوت و الفت بذات خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے
- باب ۷
- ۱۷۸ اختلاف کے حدود و آداب
- ۱۷۸ عدل و انصاف کی ترغیب
- ۱۷۸ حد سے تجاوز کرنے والے شخص سے یقیناً مؤاخذہ ہوگا
- ۱۷۹ محبت و بغض اور رنج و غصہ میں اعتدال
- ۱۸۰ اتحاد میں بھی احتیاط چاہئے
- ۱۸۱ جس پر تم نے احسان کیا ہے اس کے بھی شر سے بچو
- ۱۸۲ دشمن کی نعمت زائل ہو جانے سے خوش ہونا
- ۱۸۲ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر واجب حقوق
- ۱۸۴ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ بھی حق ہے کہ اس کو دینی نقصان سے بچائے
- ۱۸۴ اختلاف کے باوجود ادب و احترام کی ضرورت
- ۱۸۵ پہلے لوگوں کا اختلاف
- ۱۸۶ اچھوں اور بروں، شریفوں اور غیر شریفوں کے اختلاف کا فرق
- ۱۸۶ دوسرے مسلک و مشرب والوں کا ادب و احترام اور ان کی رعایت

- ۱۸۸ بزرگوں اور بڑوں کے ادب و احترام کی اہمیت اور اس کا فائدہ
- ۱۸۸ حضرت تھانویؒ کا اپنے بڑوں کے ساتھ ادب و احترام
- ۱۹۰ ہمارے اسلاف ایسے تھے
- ۱۹۰ شیخ شمس الدین کی حکایت
- ۱۹۱ ہم لوگوں میں سبھی باتیں نہیں ہیں جس کی وجہ سے ہم باہمی اختلاف کے شکار ہیں
- مظلوم کے لئے حکایت و شکایت کی اجازت ہے لیکن معمولی بات کو ہر جگہ
- ۱۹۳ گاتے پھرنا ظلم کے مرادف ہے
- باہم لڑنے والوں سے دوسرے حضرات کیا برتاؤ رکھیں باہم اختلاف کا
- ۱۹۴ ایک اور نقصان
- ۱۹۷ ضرورت کے موقع پر سختی کی بھی اجازت ہے
- ۱۹۸ سزا دینے اور سختی کرنے کا طریقہ
- ۱۹۹ غصہ و انتقام اللہ کے لئے نہ کہ شفاء غیظ کے لئے، حضرت علیؓ کی حکایت
- باب ۷
- ۲۰۰ اختلافات ختم کیجئے اور مرنے کی تیاری کیجئے
- ۲۰۰ حضرت اقدس تھانویؒ کی امت سے درخواست
- ۲۰۱ وقت آنے سے پہلے معافی تلافی کرا لیجئے
- ۲۰۲ معافی و تلافی کی فکر، حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ کا اعلان
- ۲۰۴ میں اپنے تمام غیر مالی حقوق معاف کرتا ہوں
- ۲۰۵ ایک طالب علم سے معافی مانگنے کا حضرت تھانویؒ کا واقعہ
- معافی تلافی اور صلح صفائی ہوجانے کے بعد بھی دوستی اور تعلقات کا ہونا
- ۲۰۷ ضروری نہیں

- ۲۰۸ معافی ہوجانے کے بعد بھی بشارت قلب اور دل ملنا ضروری نہیں
- ۲۱۰ ضروری تنبیہ
- ۲۱۰ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں ہر شخص سے الفت و محبت و بے تکلفی ہونا ضروری نہیں
- ۲۱۱ سب و شتم کے جواب حضرت اقدس تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی
- ۲۱۲ نقل خط، حضرت اقدس تھانویؒ کا جواب
- ۲۱۲ گستاخی اور بیہودہ حرکتوں کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا
- ۲۱۳ جس نوع کی غلطی ہو معافی بھی اسی انداز کی ہونی چاہئے
- ۲۱۵ ضرورت کے وقت اپنوں کو چھوڑنے اور قطع تعلق کا طریقہ
- باب ۹
- ۲۱۶ مخالفین و معترضین کے جواب میں
- ۲۱۶ اللہ والوں کی مخالفت ہوتی ہی ہے
- ۲۱۶ معترضین کے اعتراضات بھی حق تعالیٰ کی نعمت ہیں
- ۲۱۷ مخالفین کے طعن و تشنیع کے جواب میں حضور ﷺ کا طرز عمل
- ۲۱۸ ظالموں کے ظلم کے جواب میں حضور ﷺ کے اخلاق حسنہ
- ۲۲۰ حسن اخلاق اور نرمی برتنے کا کچھ تو فائدہ ہوتا ہی ہے
- ۲۲۲ نرمی سے فائدہ نہ ہونے کی صورت میں سختی کی ضرورت
- ۲۲۳ غلط نظریے کی تردید میں نرم پہلو اختیار کرنے کی ضرورت اور اس کا فائدہ
- متعصبین و معترضین کے اعتراضوں کے جواب کے سلسلہ میں حضرت
- ۲۲۵ تھانویؒ کا نظریہ
- معترضین کے اعتراض اور طعن و تشنیع کے جواب میں حضرت تھانویؒ رحمۃ
- ۲۲۶ اللہ کا معمول

- ۲۲۷ مخالفین کی مخالفت کے جواب میں، حضرت تھانویؒ کے چند اشعار  
 ۲۲۸ حضرت تھانویؒ کا حال  
 ۲۲۹ اہل محبت کا اصرار اور اس کا جواب  
 ۲۳۰ دینداری و خیر خواہی کا مقتضی  
 ۲۳۰ حضرت تھانویؒ کا ذوق  
 ۲۳۱ اتحاد و اتفاق قائم رکھنے اور اختلاف سے بچنے کی اہم دعائیں  
 ۲۳۲ ماخذ و مراجع

## اکابر علماء کے تاثرات

اس جامعیت کے ساتھ اب تک کام نہیں ہوا تھا

تاثرات حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حکیم الامت حضرت مولانا مقتدانا الشاہ اشرف علی تھانویؒ کے بارے میں  
 بزمانہ طالب علمی اکابر امت نے اس کا اندازہ لگا لیا تھا کہ آگے چل کر مسند ارشاد پر  
 متمکن ہو کر مرجع خلاق ہوں گے اور ہر عام و خاص ان کے فیوض و برکات سے متمتع  
 ہوں گے، چنانچہ حضرت اقدس کے کارہائے نمایاں نے اساطین امت کے اس  
 خیال کی تصدیق کی، کہنے والے نے سچ کہا ہے: ”قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید“  
 خداوند قدوس نے حضرت والا کو تجدید اور احیاء سنت کے جس اعلیٰ مقام پر  
 فائز فرمایا تھا اس کی اس دور میں نظیر نہیں، آج بھی مخلوق حضرت کی تصنیفات  
 وارشادات عالیہ اور مواعظ حسنہ سے فیضیاب ہو رہی ہے۔

حضرت کے علوم و معارف کے سلسلہ میں مختلف عنوان سے ہندوپاک  
 میں کام ہو رہا ہے، لیکن بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے  
 عزیز مولوی مفتی محمد زید سلمہ، مدرس جامعہ عربیہ ہتورا کو جس نرالے انداز سے کام کی  
 توفیق عطا فرمائی اس جامعیت کے ساتھ ابھی تک کام نہیں ہوا تھا، اس سلسلہ کی  
 (سات) درجن سے زائد ان کی تصانیف ہیں، بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اس کو  
 قبولیت تامہ عطا فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

احقر صدیق احمد غفرلہ خادم جامعہ عربیہ باندہ (یوپی)



حبّ مال ہے، اس کے لئے بعض مرتبہ آدمی سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، اور اس کو امت کی اجتماعیت کا ذرا بھی خیال نہیں رہتا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ اختلافات اگر حدود کے اندر ہوں تو یہ ایک طبعی تقاضہ ہے اور ایک ضرورت بھی، علمی و فکری رجحانات مختلف ہو سکتے ہیں، اور ان کی بنیادوں پر آدمی رائے قائم کر سکتا ہے، مگر ان میں حدود قائم رکھنا ضروری ہے، کبھی کبھی حالات ایسے ہوتے ہیں کہ اس کا اظہار نامناسب ہوتا ہے، اور کبھی اس کے اظہار کے لئے ایسی شکلیں اختیار کرنی ضروری ہوتی ہیں جو حالات کو نارمل رکھیں، اور یہ چیز انتشار کا ذریعہ نہ بنے۔

موجودہ دور میں پوری اسلامی دنیا ان ہی حالات سے دوچار ہے، ہر فرد اور ہر جماعت کو اپنے اپنے طریق کار اور اپنی اپنی رائے پر اصرار ہے، اور کوئی ایک قدم بھی تنازل کرنے کو تیار نہیں ہوتا، حالانکہ سیرت طیبہ میں اس کی دسیوں مثالیں ملتی ہیں، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی رائے قائم فرمائی لیکن اگر اس سے ہٹ کر کوئی مشورہ سامنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے بدل دی، جنگ احد کے موقع پر یہی صورت حال پیش آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے، مدینہ منورہ سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں، مگر وہ نوجوان صحابہ جو غزوہ بدر میں جانے سے رہ گئے تھے ان کی رائے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے بدل دی، ایسی دسیوں مثالیں سیرت میں مل سکتی ہیں جن سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔

پیش نظر کتاب کا یہی موضوع ہے کہ ان اختلافات کے موقع پر کیا حکمت عملی اختیار کی جائے، اور کس حد تک ان کو باقی رکھنا مناسب ہے، اور ان کے

حدود کیا ہیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تصنیفات میں مواعظ و ملفوظات میں جو کچھ اس موضوع پر کہا یا لکھا ہے، یہ کتاب اسی مجموعہ کا ایک حصہ ہے، جو عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری ندوی نے مرتب کی ہے، میں عزیز موصوف کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنے وقت کے ایک حاذق حکیم اور صاحب بصیرت عالم ربانی کی ان تحریروں اور ملفوظات کو اس موضوع پر یکجا کر کے لوگوں کے لئے آسانی پیدا کر دی، اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرے اور مفید بنائے۔

محمد رابع حسنی

۱۴/۲/۲۰۱۳ھ

## جدت و قدامت کا سنگم

### مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا محمد زید مظاہری ندوی کی جدت و قدامت نے انہیں دو آتشہ بنا دیا ہے، یعنی طرز قدیم کے بزرگوں کے ایک ایک ملفوظ کی تحقیق و ترتیب جدید میں مصروف ہیں، اور جدید وسائل کتابت و طباعت سے کام لے کر اپنی تصنیفی خدمات کو انہوں نے تحقیقی مقام تک بھی پہنچا دیا ہے، اور دیدہ زیب بھی بنا دیا ہے۔

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی کا تعارف ہی اہل علم میں حضرت تھانویؒ کی نسبت سے ہے، اس میں شک نہیں کہ تھانویؒ علوم معارف کی نسبت سے وہ کسی ”مختص“ اور ”ڈاکٹر“ سے کم نہیں، یقیناً تھانویؒ علوم کی ترتیب و تحقیق پر انہیں پی، ایچ، ڈی کی ڈگری ملنی چاہئے۔

## مقدمہ الكتاب

### امت کے باہمی اختلافات اور ان کا حل

اتحاد و اتفاق اور تالیف قلوب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بڑی نعمت ہے، جیسا کہ آپس کا انتشار و اختلاف اور تفریق قلوب اللہ کی نعمتوں اور عذابوں میں سے بڑے درجہ کا عذاب ہے، موقع امتنان میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعامات و احسانات کا تذکرہ کیا ہے اس میں خاص طور پر اس کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ اس وقت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن آپس میں لڑنے مرنے پر آمادہ تھے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے تم میں اتحاد و اتفاق پیدا کر دیا۔

وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلْفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا. (آل عمران پ ۴)

اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے اس کو یاد کرو، جب کہ تم باہم دشمن تھے، پس اللہ تعالیٰ نے اب تمہارے قلوب میں ایک دوسرے کی الفت ڈال دی سو تم خدا تعالیٰ کے اس انعام سے آپس میں بھائی بھائی کی طرح ہو گئے۔

(بیان القرآن ص ۴۵ ج ۱)

وَ اَلْفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مَا اَلَفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لَكِنَّ اللّٰهَ اَلَفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ۔

(سورہ انفال پ ۱۰)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا، اگر آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا بھر کا مال اس کام کے لئے خرچ کرتے تب بھی ان کے

قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ ہی نے ان میں باہم اتفاق پیدا کر دیا ہے شک وہ زبردست ہیں اور حکمت والے ہیں۔ (بیان القرآن سورہ انفال)

اسی طرح باہم متحد لوگوں کا آپس میں مختلف اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کو اللہ تعالیٰ نے موقع عذاب و نکال میں بیان فرمایا ہے، چنانچہ قوم سبا کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے ظلم اور کفران نعمت کی بنا پر ان کو منتشر اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

وَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثٍ وَ مَرَفْنٰهُمْ كُلُّ مُمْزِقٍ

(سورہ سبا پ ۲۲)

اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، سو ہم نے ان کو افسانہ بنا دیا، اور ان کو بالکل تتر بتر کر دیا۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

www.alislahonline.com

کیف مکر اللہ بہم و فرق شملہم بعد الاجتماع و الألفة والعيش والهنى تفرقوا فى البلاد ههنا وههنا۔ (ابن کثیر ص ۶۹۹ ج ۳)

قوم سبا کے لوگ باہم متحد ہو کر الفت و محبت کے ساتھ فرارخی اور خوشحالی سے رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو منتشر کر اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ باہمی اختلاف کے نقصانات اس قدر شدید اور سنگین ہوتے ہیں جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، بسا اوقات ایک معمولی سا اختلاف اگر اس کو ختم نہ کیا جائے دو خاندانوں کے اختلاف و بگاڑ کا ذریعہ بنتا ہے، اور نسل در نسل اس کا سلسلہ چلتا ہے، اختلاف کی نحوست کی بنا پر بسا اوقات حکومتیں مٹ جاتی ہیں، خاندان تباہ اور نسلیں ختم ہو جاتی ہیں، آپس کی قوت ختم ہو جاتی اور دشمنوں کے

حوصلے بلند ہونے لگتے ہیں، ایک دوسرے سے خوف و بے اطمینانی کا ماحول پیدا ہو کر ہر ایک بزدلی و پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے، دشمن کے مقابلہ میں جو رعب و دبدبہ ہوتا ہے، آپس کے اختلاف کی وجہ سے وہ بھی جاتا رہتا ہے چنانچہ انہیں نقصانات سے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کو آگاہ فرمایا ہے تاکہ ان نقصانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اختلافات سے بچیں چنانچہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ۔  
اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور باہم نزاع (جھگڑا) مت کرو، ورنہ باہمی نا اتفاقی سے کم ہمت ہو جاؤ گے، کیونکہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی ایک کو دوسرے پر وثوق نہ ہوگا، اور اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے۔

(بیان القرآن سورہ انفال)

دوسری جگہ مسلمانوں (صحابہ) کی کمزوری کا سبب یہ ذکر فرمایا:

حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ (پ ۴ آل عمران)

یہاں تک کہ جب تم ہی کمزور ہو گئے، اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے باہمی اختلاف کا یہ اتنا بڑا نقصان ہے کہ قرآن نے اس کو دوسرے موقع میں شرک کا خاصہ بتلایا ہے، یعنی کم ہمتی، بزدلی، مشرک قوموں میں شرک کی بنا پر پائی جاتی ہے۔

سَنَلِّقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ .

(پ ۴ آل عمران)

ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔

(بیان القرآن)

یہ پست ہمتی اور مرعوبیت جس کو قرآن نے شرک کا خاصہ بتلایا ہے، باہمی اختلاف اور آپسی انتشار کا بھی یہی خاصہ بتلایا گیا ہے، گویا بعض آثار و نتائج کے لحاظ سے باہمی اختلاف شرک کے مشابہ ہے، اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ آپس کا اختلاف کتنی خطرناک چیز ہے کہ بعض آثار و نتائج کے لحاظ سے شرک کے درجہ میں ہے، اسی سنگینی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اگر لوگوں میں آپس میں اختلاف ہو جائے تو دوسرے سنجیدہ سمجھ دار لوگوں کو چاہئے کہ ان میں صلح و صفائی کرا کے اختلاف ختم کرا دیا کریں، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۔

مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا

کرو (تاکہ اخوت قائم رہے)

www.alislahonline.com

(بیان القرآن)

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَسَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنَّ فَاتَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ

(پ ۲۶ سورہ حجرات)

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح

کرو، (یعنی لڑائی موقوف کرا دو)

(بیان القرآن، حجرات)

بلاشبہ آپس کا اتحاد و اتفاق حق تعالیٰ کی رحمت کو نازل کرنے والا اور باہمی

اختلاف و نزاع رحمت کو اٹھانے اور ختم کرنے والا ہے۔

ان ہی سب وجوہات کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت میں اتحاد پیدا کرنے اور قائم رکھنے کا بڑا اہتمام تھا، اور ہمیشہ آپ نے امت کو اختلاف سے بچانے کی کوشش فرمائی، آپ کی حیات میں بعض موقعوں میں صحابہ کرام میں کچھ اختلاف ہوا آپ تشریف لے گئے اور ان میں صلح و صفائی کرائی، اور ایک موقع پر آپ نے بہت لمبی نماز ادا فرمائی اور نماز کے بعد بڑی لجاجت اور آہ وزاری کے ساتھ تین دعائیں مانگیں جن میں دو دعائیں تو آپ کی قبول ہوئیں تیسری قبول نہیں ہوئی، آپ نے دعاء مانگی تھی کہ یا اللہ میری امت قحط سے ہلاک نہ کی جائے، دوسری دعاء مانگی تھی کہ یا اللہ میری امت پر ایسے ظالم حکمران کو مسلط نہ کیجئے جو پوری امت کا صفایا کر دیں، یہ دونوں دعائیں آپ کی قبول ہوئیں، تیسری دعاء آپ نے فرمائی تھی کہ یا اللہ میری امت میں آپس میں اختلاف نہ ہو، میری امت باہم لڑے جھگڑے نہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ امت لڑے جھگڑے گی اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعاء قبول نہیں فرمائی آپ فرماتے ہیں فمنعنيها کہ اللہ رب العزت نے اس دعاء سے مجھے منع فرمادیا۔

(مسلم شریف، ترمذی شریف، ابواب الفتن)

اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ یہ امت باہم لڑائی جھگڑوں اور فتنوں سے محفوظ نہ رہے گی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعاء جو اگرچہ قبول نہیں لیکن اس کے ساتھ ہی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریحی طور پر امت کو ایسی ہدایتیں اور ایسے قیمتی نسخے عطا فرمائے کہ اگر امت ان کو اختیار کرے تو آپس کا کینہ بغض، حسد، رنجش و اختلاف سب ختم ہو سکتا ہے، اب امت ان نسخوں سے فائدہ نہ اٹھائے یہ اس کا قصور ہے، تقدیری اور تکوینی طور پر اختلاف کی

خبر دینے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ امت اسباب اختلاف سے پرہیز کرنے اور اسباب اتحاد کو اختیار کرنے کی مکلف بھی نہیں، پوری امت اور امت کے ہر طبقہ پر یہ لازم ہے کہ اختلاف ختم کر کے اتحاد و اتفاق قائم کرنے اور اس کو برقرار رکھنے کی کوشش کرے، اس کا نتیجہ خواہ کچھ بھی نکلے، لیکن امت کو مکلف بنایا گیا ہے کہ ان اسباب کو اختیار کرے، مثلاً آپ نے فرمایا آپس میں سلام کا اہتمام کرو، اس سے محبت پیدا ہوتی ہے، اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا، آپ نے مصافحہ کا بھی حکم دیا اور فرمایا مصافحہ کرنے سے دل کا کینہ اور بغض دور ہوتا ہے، آپ نے فرمایا ہدایا تحائف کا لین دین کیا کرو، اس سے محبت ہوگی، کوئی بیمار ہو جائے اس کی مزاج پرسی کرو، عیادت کرو، خیر و خیریت دریافت کرو، ایک دوسرے کی مدد کرو، انتقال کی خبر ملے جنازہ میں شرکت کرو، چھینکنے والے کو ”یرحمک اللہ“ کہہ کر جواب دو، چھوٹے اپنے بڑوں کا اکرام کریں، بڑے چھوٹوں پر شفقت کریں، جو ایسا نہ کریں ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ یہ ساری باتیں مختلف موقعوں میں آپ نے بیان فرمائیں۔

بیشک بسا اوقات باہم تکرار اور رنجش کی نوبت بھی آجاتی ہے لیکن آپ نے حکم دیا کہ اب بھی تین دن سے زائد سلام کلام بند کرنے کی اجازت نہیں اور اللہ کے نزدیک افضل اور اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے (مشکوٰۃ شریف ۴۲۷) آپ نے اپنی امت کو حکم دیا کہ ملاقات اور زیارت کیا کرو، جس میں صرف ملاقات ہی مقصود ہو اور آپ نے خبر دی کہ جو ایسا کریں گے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عرش کے سایہ کے نیچے ان کو جگہ دے گا۔ (مسلم)

آپ نے بشارت دی اپنے امتی کے ایسے شخص کو جو حق پر ہونے کے

باوجود محض لڑائی جھگڑے سے بچنے اور اس کو ختم کرنے کے لئے اپنے حق سے دستبردار ہو جائے، بڑا ہونے کے باوجود چھوٹا بن جائے غلطی نہ ہونے کے باوجود تواضع اختیار کر لے، آپ نے فرمایا کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے فرمائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے، جس حور کو چاہے لے لے۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

یہ اور اسی نوع کی بہت سی ہدایتیں اور نسخے آپ نے اپنی امت کو عطا فرمائے ہیں جن کے اختیار کرنے سے اختلاف ختم ہوتا اور اتحاد قائم ہوتا ہے جب چاہے تجربہ کر لیجئے، فکری نظریاتی اور مسلکی اختلافات کے باوجود ان نسخوں کو استعمال کیجئے انشاء اللہ باہم محبت پیدا ہوگی فاصلے کم اور دوریاں ختم ہوں گی۔

اختلاف کسی نوعیت کا ہو اور اس کا تعلق کسی بھی شعبہ سے یا جماعت سے ہو، ہر اختلاف میں حق و باطل، محمود یا مذموم ہونے کا احتمال قائم کیا جاسکتا ہے، شریعت کی رو سے نہ ہر اتحاد محمود ہے اور نہ ہر اختلاف مذموم، چند افراد کسی ایک شخص کی ایذا رسانی پر، چوری کرنے یا کسی غلط کام پر اتحاد کر لیں دنیا کا کوئی عقلمند اس اتحاد کو محمود نہیں کہہ سکتا اور کسی غلط کام پر متحد ہونے والی جماعت سے چند افراد اختلاف کریں کہ نہیں یہ کام غلط ہے نہیں کرنا ہے، اس اختلاف کو کوئی عقلمند مذموم نہیں کہہ سکتا۔

الغرض نہ ہر اختلاف مذموم اور نہ ہر اتحاد محمود، بہت سے نبیوں نے حق کی دعوت دی، حق کا اظہار کیا جس کے نتیجے میں اختلاف و انتشار ہوا لیکن اس اختلاف کو ہرگز اختلاف مذموم نہیں کہا جاسکتا، اختلاف کے شریعت نے حدود و قیود مقرر کئے ہیں، کچھ معیار بھی بتلائے ہیں، جن کے ذریعہ سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ اختلاف محمود ہے یا مذموم۔

اختلاف دنیا داروں میں بھی ہوتا ہے اور دینی حلقوں میں بھی، ارباب سیاست میں بھی اور ذمی منصب و قار سنجیدہ لوگوں میں بھی، اہل مدارس و مساجد میں بھی، مختلف تحریکوں و تنظیموں اور جمعیتوں و جماعتوں میں بھی۔

الغرض مختلف اغراض و مقاصد کے پیش نظر امت کے مختلف طبقات میں اختلاف پایا جاسکتا ہے اور پایا جا رہا ہے لیکن اختلاف کی کوئی بھی قسم ہو اس کے محمود یا مذموم ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے شرعی حدود و قیود کا سہارا لینا ضروری ہے۔

عرب و عجم کے علماء کرام نے اس موضوع پر مختلف کتابیں لکھی ہیں جن سے اس سلسلہ میں رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے، گذشتہ صدی میں ایک محقق بزرگ گذرے ہیں جن کو مصلح امت، مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، انہوں نے اس موضوع سے متعلق تفصیلی کلام فرمایا ہے، تصانیف میں بھی، ملفوظات و مواعظ میں بھی جن سے باہمی اختلافات کے حدود و قیود اور اس کے محمود و مذموم ہونے کا معیار بھی معلوم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اختلاف و اتحاد کے ظاہری و باطنی اسباب کا بھی علم ہوتا ہے، اختلاف کی جو بھی قسم ہو اس کا اسلام نے جو حل بتایا ہے اس سے بھی پوری واقفیت ہوتی ہے، لیکن محقق تھانویؒ کا یہ کلام ان کے مواعظ و ملفوظات اور دیگر تصانیف میں پھیلا ہوا تھا، احقر نے مطالعہ کے بعد ان کو چین چین کر یکجا اور مرتب کیا جو آپ کے سامنے ہے، یہ مجموعہ اس کی پہلی قسط ہے جس میں اختلاف کی مذمت اور اتحاد کی مطلوبیت نیز اتحاد و اختلاف کے ظاہری و باطنی اسباب، اور اختلاف کے اصول و آداب حدود و قیود اور اس کے محمود یا مذموم ہونے کے معیار کو بتلایا گیا ہے، اور ایسے مضامین جمع کئے گئے ہیں جن سے اتحاد و اتفاق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے

اور اس کے اسباب اختیار کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔

دوسرے حصہ میں دینی مدارس اور علماء کے نیز مختلف دینی تحریکوں و تنظیموں کے باہمی اختلافات اور ان کا حل پیش کیا گیا ہے۔

تیسرے حصہ میں امت کے مختلف طبقات اور مختلف جماعتوں، پارٹیوں، خاندانوں اور افراد کے باہمی اختلافات اور اس کے حدود قیود بتلاتے ہوئے اسلامی حل پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتاب آج سے تقریباً بیس بائیس برس قبل سے زیر ترتیب رہی اس کی ترتیب میں حضرت مولانا سید صدیق احمد باندویؒ کی نگرانی اور توجہ و دعائیں شامل رہیں لیکن دوسرے کاموں کی وجہ سے اس کی تکمیل اور اشاعت کی نوبت نہ آسکی، الحمد للہ اب اس کی پہلی قسط منظر عام پر آ رہی ہے، دوسری قسط کی بھی کتابت ہو چکی ہے، تیسری قسط زیر ترتیب ہے، سب کی ضخامت تقریباً برابر ہے۔

اس کتاب کی ترتیب میں سب سے زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دعاء پیش نظر رہی ہے جو آپ نے اللہ رب العالمین سے نہایت لجاجت اور آہ و زاری کے ساتھ کی تھی کہ یا اللہ میری امت میں اختلاف نہ ہو، لیکن آپ کی وہ دعاء مقبول نہ ہوئی اس کے باوجود آپ نے امت کو ایسی ہدایات دیں اور ایسے اصول و آداب اور نسخے بتلائے کہ ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے اختلافات پر قابو پایا جاسکتا ہے اور امت میں اتحاد قائم رہ سکتا ہے، بس اس کتاب کی ترتیب کا مقصد یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقصد اور خواہش کی تکمیل کسی درجہ میں ہو جائے اور آپ کی اس دعاء میں شرکت کی سعادت نصیب ہو جائے، شاید یہ مختصر مجموعہ اور معمولی سی کوشش امت سے اختلاف مٹانے اور اتحاد قائم کرنے میں

منفید و معین ثابت ہو، قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ بھی اسی جذبہ سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ان دینی مضامین سے فائدہ اٹھائیں اور امت میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے کی کوشش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور مقصد کی تکمیل میں شرکت کی سعادت حاصل کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے اور اس حقیر کی کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی تسکین و خوشی کا ذریعہ بنائے۔

والسلام

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۵ شوال ۱۴۳۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی  
سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ

## باب

اتحاد و اتفاق سے متعلق آیات قرآنیہ

اتحاد قائم رکھنے کا حکم

(۱) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ . بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط  
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا... اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنٰازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا  
وَتَذٰهَبَ رِیْبُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ • (انفال پنا)  
ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ ورسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ  
کرو، ورنہ آپسی نا اتفاقی سے تم بزدل و کم ہمت ہو جاؤ گے، اور تمہاری ہوا  
اکھڑ جائے گی (کیونکہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی، اور ایک کو دوسرے پر اعتماد نہ  
ہوگا) اور اگر کوئی ناگوار بات پیش آئے تو اس پر صبر کرو، بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے  
والوں کے ساتھ ہیں۔ (بیان القرآن)

(فائدہ) باہم اتحاد و اتفاق کا قرآن مجید میں بھی حکم دیا گیا ہے، دیکھئے! اس  
آیت میں اتفاق کے مسئلہ کو (کتنی اہمیت سے) بیان فرمایا ہے، اس پر بے شک  
ہم فخر کریں گے کہ قرآن مجید نے ہم کو کیسے عجیب غریب مسئلہ کی تعلیم کی ہے۔

(الاتفاق بلحقہ آداب انسانیت ص ۴۳۰)

# امت کے باہمی اختلافات

## اور ان کا حل (۱)

اتحاد و اتفاق کی اہمیت اور اختلاف کی مذمت عقل و نقل کی روشنی میں  
علماء و مشائخ اور دینی مدارس، اور مختلف جماعتوں کے باہمی اختلافات اور ان کا حل

### افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۲) وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران پے)  
ترجمہ: اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ تم سب  
باہم متفق بھی رہو اور باہم نا اتفاقی مت کرو۔ (بیان القرآن)

## دو جماعتوں میں اختلاف ہو جانے کی صورت میں

### صلح کر دینے کا حکم

(۳) وَإِنْ طَافَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ  
بَغَتْ أَحَدُهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى  
أَمْرِ اللَّهِ، فَإِنْ فَاتَتْ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسَطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ  
الْمُقْسِطِينَ • (سورہ حجرات پ ۲۶)

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے  
درمیان اصلاح کر دو، پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو  
اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع  
ہو جاوے، پھر اگر رجوع ہو جاوے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ  
اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند  
کرتا ہے۔ (حجرات پ ۲۶)

(۴) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَاصْلِحُوا بَيْنَ أَخْوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ • (حجرات پ ۲۶)

ترجمہ: مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح

کر دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

(بیان القرآن پ ۲۶ حجرات)

(۵) وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ  
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ • (سورہ توبہ پ ۱۰)

ترجمہ: اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے  
دینی رفیق (دوست) ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع  
کرتے ہیں۔ (بیان القرآن)

## اختلاف ختم کرانے اور صلح کرانے کا طریقہ

(۶) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي  
الْأَمْرِ مِنْكُمْ • فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ  
كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (نساء پ ۵)  
ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو، اور تم میں جو  
لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی، پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس  
امر کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دیا کرو، اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان  
رکھتے ہو، یہ امور سب بہتر ہیں اور ان کا انجام خوشتر ہے۔ (بیان القرآن)

(۷) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ  
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ عَلَى أَنْ لَا تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ  
لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ • (مائدہ پ ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے پوری پابندی کرنے

والے، انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو، اور کسی خاص قوم کی عداوت تمہارے لئے اسکا باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔ (بیان القرآن)

(۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ. (سورہ نساء پ ۵)

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو اگر چہ اپنی ذات پر ہو یا یہ کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو۔ (بیان القرآن)

## آپس کا اتحاد و اتفاق اور باہمی الفت و محبت

### اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

(۹) وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا. (آل عمران پ ۴)

ترجمہ: اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو، جب کہ تم دشمن تھے، پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم خدا تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ (بیان القرآن)

(۱۰) وَاللَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ. (الأنفال پ ۱۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ ہی نے ان میں باہم اتفاق پیدا کر دیا بیشک وہ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں۔ (بیان القرآن)

## حق تعالیٰ کے چند وہ احکام جن کی رعایت نہ کرنے سے آپس میں اختلاف اور باہم کشیدگی پیدا ہوتی ہے

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ • وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ. (حجرات پ ۲۶)

ترجمہ: اے ایمان والو نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں سے) خدا کے نزدیک بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

(بیان القرآن حجرات پ ۲۶)

(۲) وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ بِنِسْ إِيْسَمِ الْفُسُوقِ بَعْدَ الْإِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ • (حجرات پ ۲۶)

ترجمہ: اور ایک دوسرے کو طعن نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے اور جو ان حرکتوں سے باز نہ آئیں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ (حجرات پ ۲۶)

(۳) وَيَلُّ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ • (ہمزہ پ ۳۰)

ترجمہ: بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور رو در رو طعنہ دینے والا ہو۔ (بیان القرآن)

(۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا • (حجرات ۲۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور سراغ مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے۔

(۵) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا • (بنی اسرائیل پ ۱۵)

ترجمہ: اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کرو، کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی قیامت کے دن پوچھ ہوگی (اس لئے بے تحقیق بات پر وثوق کر کے اس پر عمل مت کرو) (بیان القرآن)

### احادیث نبویہ

رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات جن کی رعایت کرنے سے اتحاد

و اتفاق قائم رہتا ہے ورنہ اختلاف و فساد ہوتا ہے

(۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيَعْبِرْهُ، بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَوْعَفُ الْإِيمَانِ • (مسلم و ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اگر تم میں سے کوئی کسی غلط کام کو دیکھے تو اسکو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اور اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان سے اس کو بدل دے، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے۔

(۲) عَنْ أَبِي أَمَامَةَ "إِذَا رَأَيْتُمْ أَمْرًا لَا تَسْتَطِيعُونَ غَيْرَهُ، فَاصْبِرُوا حَتَّى يَكُونَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي يُغَيِّرُهُ" (الکبیر، جمع الفوائد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی ایسی چیز دیکھو کہ جس کو تم بدلنے پر قادر نہ ہو تو صبر کرو حتیٰ کہ اللہ ہی اس کو بدل دے۔

(۳) عَنْ وَائِلَةَ بِنِ الْأَسْقَعِ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا الْعَصَبِيَّةُ؟ "قَالَ أَنْ تُعِينَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ" (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت وائلہ بن الاسقع فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! عصبیت کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا عصبیت یہ ہے کہ تم اپنی قوم کا ظلم پر ساتھ دو اور مدد کرو۔

(۴) خَيْرُكُمْ الْمُدَافِعُ مِنْ عَشِيرَتِهِ مَا لَمْ يَأْتُمْ • (ابوداؤد)

ترجمہ: فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو کہ اپنے خاندان کی طرف سے مدافعت کرے، مگر بہتری اسی وقت تک ہے جب تک کہ (اس مدافعت میں ایسا کوئی کام یا بات نہ کرے کہ) اس کی وجہ سے گناہ میں پڑے۔ (ماخوذ از بودر النور، رسالہ احکام الائتلاف فی احکام الاختلاف)

(۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا

تَحْسُسُوا وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا  
وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا وَفِي رِوَايَةٍ وَلَا تَنَافَسُوا“ (متفق علیہ مشکوٰۃ)  
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا  
”بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے (کسی کی) ٹوہ میں مت رہو،  
جاسوسی مت کیا کرو، ایک کو دوسرے کے خلاف مت بھڑکاؤ، آپس میں حسد نہ کرو  
ایک دوسرے سے بغض نہ کرو، اور نہ قطع تعلق کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن  
کر رہو اور ایک روایت میں ہے کہ (دنیوی امور میں) ایک دوسرے سے آگے  
بڑھنے کی کوشش مت کرو۔

(۶) عَنْ أَبِي صِرْمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”مَنْ  
ضَارَّ ضَارًّا اللَّهُ بِهِ وَمَنْ شَاقَّ شَاقًّا اللَّهُ بِهِ“ (ابن ماجہ، ترمذی)  
ترجمہ: حضرت ابو صرمہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
جو آدمی دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے اللہ اس کو نقصان میں ڈالتا ہے اور جو  
دوسروں کو مشقت میں ڈالتا ہے اللہ اس کو مشقت میں ڈالتے ہیں۔

(۷) عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ”مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا أَوْ مَكْرَبَهُ“ (ترمذی)  
ترجمہ: حضرت ابو بکرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا جو آدمی کسی  
مؤمن کو نقصان پہنچائے یا اس کے ساتھ دھوکہ دہی کا معاملہ کرے وہ ملعون ہے۔

(۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:  
”لَمَّا عَرَجَ بِي رَبِّي مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نَحَاسٍ يُحَمِّشُونَ  
وُجُوهُهُمْ وَصُدُّوهُمْ فَقُلْتُ: مَنْ هَؤُلَاءِ؟ يَا جَبْرَيْلُ! قَالَ هَؤُلَاءِ

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَيَقْعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ“ (ابوداؤد)  
ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ  
مجھ کو جب حق تعالیٰ نے معراج میں بلایا تو میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے  
تانے کے ناخون تھے جن سے وہ اپنے چہروں کو نونچ رہے تھے اور اپنے سینوں کو  
بھی، تو میں نے کہا: اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں  
جو دوسروں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی آبرؤں کے پیچھے پڑتے ہیں یعنی ان کی  
غیبت و برائیاں کرتے ہیں۔

(۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: ”اِعْتَلَّ بَعِيرٌ لَصْفِيَّةَ وَعِنْدَ زَيْنَبَ  
فَضُلَّ ظَهْرٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لِزَيْنَبَ: ”أَعْطِيهَا بَعِيرًا فَقَالَتْ: أَنَا أُعْطِي تِلْكَ الْيَهُودِيَّةَ فَعَضِبَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَجَرَ هَا ذَا الْحِجَّةَ وَالْمَحْرَمَ  
وَبَعْضَ صَفْرٍ“ (ابوداؤد و مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ حضرت صفیہ کا ایک اونٹ  
بیمار ہو گیا اور حضرت زینب کے پاس زاند سواریاں تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
ان سے فرمایا کہ صفیہ کو ایک اونٹ دیدو، کہا میں اس یہودیہ کو دوں گی؟ تو آپ نے  
ناراض ہو کر دو ماہ سے زاند عرصہ تک ان کو چھوڑے رکھا۔

(۱۰) قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ  
عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعْ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ، وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ“.

ترجمہ: ارشاد نبویؐ ہے مسلمانوں کو تکلیف مت پہنچاؤ اور نہ ان کو عار دلاؤ

اور نہ ان کی مخفی چیزوں کے درپے ہو، اس لئے کہ جو آدمی اپنے بھائی کی پوشیدہ چیزوں (عیوب وغیرہ) کے پیچھے پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پوشیدہ چیزوں کے درپے ہو کر اس کو رسوا کرتا ہے اگرچہ وہ اسے اپنے گھر کے اندر چھپ کر کرے۔

(ماخوذ از بوادر النوار، ص ۶۷۱ رسالہ احکام الائلاف فی احکام الاختلاف)

(۱۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للمؤمن علی المؤمن ست خصال یعودہ، اذا مرض، ویشہدہ اذا مات، ویجیبہ اذا دعاه، ویسلم علیہ اذا لقیہ، ویشمتہ اذا عطس وینصح لہ، اذا غاب او شہدہ (نسائی شریف)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مومن کے لئے مومن کے ذمہ چھ حق ہیں (۱) جب وہ مریض ہو تو اس کی عیادت کرے (۲) اور جب انتقال ہو جائے تو اس کے جنازہ پر حاضر ہو (۳) اور جب دعوت کرے تو قبول کرے (بشرطیکہ کوئی عذر نہ ہو) (۴) اور جب وہ ملے تو سلام کرے (۵) اور جب وہ چھینکے تو الحمد للہ کہے تو سننے والا یرحمک اللہ کہے (۶) اور وہ غائب ہو یا حاضر ہر حال میں اس کی خیر خواہی کرے۔

(نسائی خطبات الاحکام ص ۴۱)

(۱۲) وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام: ”المؤمنون کرجل واحد ان اشتکی عینہ، اشتکی کلہ، وان اشتکی رأسہ، اشتکی کلہ“

(متفق علیہ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب مومن ایک آدمی کے مانند ہیں کہ اگر آدمی کی آنکھ میں تکلیف ہو تو کل بدن کو تکلیف پہنچتی ہے، اور

اگر سر میں تکلیف ہو تب بھی کل بدن کو تکلیف پہنچتی ہے (اسی طرح اگر ایک مسلمان کو تکلیف ہو تو سب مسلمانوں کو تکلیف ہونا چاہئے۔ (متفق علیہ)

(۱۳) وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

”لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ“ (دارقطنی)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ ایک طرف سے ضرر پہنچنا چاہئے نہ دونوں طرف سے۔ (فروع الایمان، اصلاحی نصاب ص ۴۲۱)

(۱۴) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص ملعون ہے جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ فریب کرے۔ (حیوۃ المسلمین ص ۷۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات جن

کی رعایت کرنے سے باہمی اختلاف و فساد

سے حفاظت رہتی ہے

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص لوگوں کے عیوب پر نظر کرے اور اپنے کو عیوب سے بڑی سمجھ کر بطور شکایت کے یوں کہے کہ لوگ برباد ہو گئے تو یہ شخص سب سے زیادہ برباد ہونے والا ہے کہ مسلمان کو حقیر سمجھتا ہے۔ (مسلم شریف)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز سب سے بدتر حالت میں اس شخص کو پاؤ گے جو

دورویہ ہو، ان کے منہ پر ان جیسا، ان کے منہ پر ان جیسا (یعنی ایسا ہو کہ منہ پر تعریف کرے اور پیچھے برائی کرے) (بخاری و مسلم)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا میں دورخا ہو کہ اس کے منہ پر اس کی بات کہے اور اس کے منہ پر اس کی، قیامت کے دن اس کے لئے آگ کی زبان ہوگی۔ (دارمی)

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان کو بلاوجہ برا بھلا کہنا بڑا گناہ ہے اور اس سے بلاوجہ لڑنا کفر ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۵) عبدالرحمن بن غنم اور اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کے بندو! تم میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو چغلیاں پہنچاتے ہیں، اور دوستوں میں جدائی ڈلاتے ہیں۔ (احمد و بیہقی)

(۶) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ چغلیخو (قانوناً بغیر سزا کے) جنت میں نہ جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

(۷) حضرت وائلہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی مسلمان کی دنیوی یا دینی بری حالت پر خوشی مت ظاہر کر، کبھی اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمادے اور تجھ کو بتلا کر دے۔ (ترمذی)

(۸) عیاض مجاشعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے کہ سب آدمی تواضع اختیار کرو، یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے، اور کوئی کسی پر زیادتی نہ

کرے، کیونکہ فخر اور ظلم تکبر ہی سے ہوتا ہے۔ (مسلم شریف)

(۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اپنے بھائی مسلمان سے نہ خواہ مخواہ بحث کیا کر، اور نہ اس سے ایسی دل لگی کر جو اس کو ناگوار ہو اور نہ اس سے کوئی وعدہ کر جس کو تو پورا نہ کر سکے۔ (ترمذی)

(۱۰) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کر دے اس طرح کہ دونوں ملیں اور یہ ادھر کو منہ پھیر لے اور وہ ادھر کو منہ پھیر لے، اور ان دونوں میں اچھا وہ شخص ہے جو پہلے سلام کرے۔ (بخاری و مسلم)

(۱۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مظلوم ہونے کی حالت میں تو مدد کروں گا مگر ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو ظلم سے روک دے یہی تمہاری مدد کرنا ہے اس ظالم کی۔ (بخاری و مسلم)

(۱۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے اور نہ کسی مصیبت میں اس کا ساتھ چھوڑے، اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی سختی دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں میں سے اس کی سختی دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ

پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

(۱۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ فرمایا آدمی کے لئے یہ شرکافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے یعنی اگر کسی میں یہ بات ہو اور شرکی کوئی بات نہ ہو تب بھی اس میں شرکی کمی نہیں، مسلمان کی ساری چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں، اس کی جان اور اس کا مال اور اس کی آبرو یعنی نہ اس کی جان کو تکلیف دینا جائز، نہ اس کے دل کو نقصان پہنچانا اور نہ اس کی آبرو کو صدمہ پہنچانا، مثلاً اس کا عیب کھولنا، اس کی غیبت کرنا وغیرہ۔ (مسلم)

(۱۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی بندہ پورا ایمان دار نہیں بنتا یہاں تک کہ اپنے بھائی مسلمان کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان میں ہے (یعنی زبان) اور اس کی جو اس کی دونوں رانوں کے درمیان میں ہے (یعنی شرم گاہ) میں اس شخص کے لئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔ (بخاری)

(۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۱۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو عار دلوائی تو وہ شخص اس وقت تک نہ مرے گا جب تک کہ اس گناہ

کو نہ کر لے، راوی نے کہا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ اس گناہ سے عار دلوائے جس سے وہ توبہ کر چکا ہو۔ (ترمذی)

(۱۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس بات کو چھوڑ دے جس سے اس کو کوئی فائدہ مقصود نہ ہو۔ (مالک و احمد)

(۱۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چپ رہا اس نے نجات پائی۔ (ترمذی، احمد)

(۲۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان نہ طعنہ مارنے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا ہوتا ہے، اور نہ بے حیائی کی بات بکنے والا ہوتا ہے، اور نہ بد زبان ہوتا ہے۔ (ترمذی)

(۲۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہماری جماعت سے خارج ہے جو ہمارے کم عمر پر رحم نہ کرے، اور ہمارے بڑی عمر والے کی عزت نہ کرے، اور نیک کام کی نصیحت نہ کرے، اور برے کام سے منع نہ کرے، کیونکہ یہ بھی مسلمان کا حق ہے کہ موقع پر اس کو دین کی باتیں بتلایا کرے، مگر نرمی اور تہذیب سے۔ (ترمذی)

(۲۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت ہوتی ہے اور وہ اس کی حمایت پر قادر ہو اور اس کی حمایت کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی حمایت فرمائے گا اور اگر اس کی حمایت نہ کی حالانکہ اس کی حمایت پر قادر تھا تو دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس پر گرفت فرمائے گا۔

(۲۳) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کا کوئی عیب دیکھے پھر اس کو چھپالے یعنی دوسروں سے ظاہر نہ کرے تو وہ ثواب میں ایسا ہوگا جیسے کسی نے زندہ درگور کی جان بچالی اور قبر سے اس کو زندہ نکال لیا۔

(احمد و ترمذی)

(۲۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ہر ایک شخص اپنے بھائی کا آئینہ ہے پس اگر اس بھائی میں کوئی گندی بات دیکھے تو اس سے اس طرح دور کر دے جیسے آئینہ داغ دھبہ چہرہ کا اس طرح صاف کر دیتا ہے کہ صرف عیب والے پر تو ظاہر کر دیتا ہے اور کسی پر ظاہر نہیں کرتا، اسی طرح اس شخص کو چاہئے کہ اس کے عیب کی خفیہ طور پر اصلاح کر دے، رسوا نہ کرے۔

(ترمذی)

(۲۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے مرتبہ پر رکھو، یعنی ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے موافق برتاؤ کرو، سب کو ایک لکڑی سے مت ہانکو۔

(ابوداؤد)

(۲۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اقبلو ذوی الہیئات عثرا تہم الا الحدود۔ (یعنی اہم اور محترم لوگوں کی خطائیں وغرشیں سوائے حدود کے یعنی جن خطاؤں میں اسلامی حکومت میں حد جاری کی جاتی ہے ان کے علاوہ سب خطاؤں کو معاف کر دیا کرو)

(ماخوذ از حیوۃ المسلمین، التشریف بمعرفۃ احادیث التصوف ص: ۳۱۹)

## زبان کی حفاظت کی اہمیت

چند وہ خصلتیں و عادتیں جن سے احتیاط بہت ضروری ہے

بعض اوقات سرسری طور پر ایسی بات منہ سے نکل جاتی ہے کہ جہنم میں لے جاتی ہے، جب سوچ کے بولو گے اس آفت سے محفوظ رہو گے۔

(۱) گالیاں دینا فاسقوں کا کام ہے کسی کو فاسق، کافر، ملعون، خدا کا دشمن، بے ایمان مت کہو، اگر وہ شخص ایسا نہ ہوگا تو یہ سب چیزیں لوٹ کر کہنے والے پر پڑیں گی۔

اسی طرح یہ کہنا کہ فلانے پر خدا کی مار، خدا کی پھٹکار، خدا کا غضب پڑے یا دوزخ نصیب ہو خواہ کسی آدمی کو کہا جائے یا جانور کو یا کسی بے جان چیز کو۔ اگر کوئی تم کو سخت کلمہ کہے اسی قدر تم بھی کہہ سکتے ہو اور زیادتی کرنے میں پھر تم گنہگار ہو گے۔

اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحم فرماوے لوگوں میں بڑی غفلت ہے، گناہوں پر بڑی جرأت ہے و نحو ذلک (اور اس جیسے کلمات) اگر یہ بات افسوس اور شفقت کے طور پر کہی جاوے تو مضائقہ نہیں اور اگر براہ خود پسندی و خود بینی (یعنی اپنے کو اچھا اور بڑا سمجھتے ہوئے) کہا جاوے تو یہ اول اسی الزام کا (مستحق) ہے جو اوروں پر عائد کر رہا ہے۔

(۲) دورویہ پن کبھی مت کرو کہ جیسوں میں گئے ویسی ہی باتیں بنانے لگے، بقول شخصے جمنا پر گئے جمنا داس، گنکا پر گئے گنکا داس۔

(۳) چغلی خوری ہرگز مت کرو، سچ بولو، جھوٹ ہرگز مت بولو، البتہ

دو شخصوں میں مصالحت کرانے کیلئے جھوٹ بولنے کا مضائقہ نہیں۔

(۴) کسی کی منہ پر خوشامد سے اس کی تعریف مت کرو، اسی طرح غائبانہ بھی تعریف کرنا ہو تو اس میں مبالغہ اور یقینی دعویٰ مت کرو، کیونکہ حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے بلکہ یوں کہو کہ میرے علم میں فلاں شخص ایسا ہے اور یہ بھی اس وقت کہو جب اس کو اپنے علم میں ویسا سمجھتے ہو۔

(۵) غیبت کبھی مت کرو، اس سے علاوہ گناہ کے دنیوی طرح طرح کے فساد پیدا ہوتے ہیں، اور غیبت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کی پیٹھ پیچھے اسکی ایسی بات کہنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار ہو، اگر چہ وہ بات اس کے اندر موجود ہی ہو اور اگر وہ بات اس میں نہیں ہے تو وہ غیبت سے بھی بڑھ کر بہتان ہے۔

(۶) اگر اتفاقاً غلبہ نفس و شیطان سے کوئی معصیت سرزد ہو جاوے تو اسکو گاتے مت پھرو، بحث و مباحثہ میں کسی سے مت الجھو، جب دیکھو کہ مخاطب حق بات نہیں مانتا خاموش ہو جاؤ اور ناحق سخن پروری (یعنی ناحق اپنی بات پر اصرار) تو بہت ہی بری بات ہے۔

(۷) محض لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹی باتیں بنانے کی عادت مت

ڈالو۔

(۸) جس کلام سے نہ کوئی دنیوی فائدہ ہونہ دینی اس کو زبان سے مت نکالو۔ اگر کسی شخص سے کوئی گناہ یا خطا ہو جاوے اس کو دوسوزی سے نصیحت کرنا تو اچھی بات ہے مگر محض اس کی تحقیر کی غرض سے ملامت کرنا، عار دلانا بری بات ہے، ڈرنا چاہئے کہ کہیں ناحق صاحب اسی بلا میں نہ مبتلا ہو جاویں۔

(۹) غیبت جیسے زبان سے ہوتی ہے اسی طرح کسی کی نقل اتارنے سے

بھی بلکہ یہ زیادہ قبیح ہے مثلاً آنکھ دبا کر دیکھنا، لنگڑا کر چلنا۔

(۱۰) جس شخص کی غیبت ہوگئی ہو اور اس سے کسی وجہ سے معاف کرانا دشوار ہو تو اب اس کا علاج یہ ہے کہ اس شخص کے لئے اور اس کے ساتھ اپنے لئے استغفار کرو اس طرح: اللھم اغفر لنا ولہ۔

(۱۱) جھوٹا وعدہ مت کرو حتیٰ کہ بچے کے بہلانے کو بھی جھوٹ مت کہو کہ تجھ کو میٹھائی دیں گے، بسکٹ دیں گے، اگر کہو تو دینے کی نیت رکھو۔

(۱۲) کسی کا دل خوش کرنے کے لئے خوش طبعی کرنا مضائقہ نہیں مگر اس میں دو امر کا لحاظ رکھو، ایک یہ کہ جھوٹ نہ بولو، دوسرے یہ کہ اس شخص کا دل آزرده (رنجیدہ) مت کرو یعنی اگر وہ برامانتا ہے تو ہنسی مت کرو۔

(۱۳) حسب و نسب یا اور کسی کمال پر شیخی مت بھگارو۔

فائدہ: یہ ساری نصیحتیں حدیثوں سے ماخوذ ہیں۔

(تعلیم الدین بلحقہ اصلاحتی نصاب ص ۲۸۵)

ان باتوں کا لحاظ رکھو بہت سے مفاسد اور

فتنوں سے محفوظ رہو گے

سوال وہ کرو جس کی ضرورت ہو، بات وہ کرو جس کی کچھ غایت (مفید مقصد) ہو، کام وہ کرو جس کا کچھ مفید نتیجہ ہو، اور جس کام کی غایت (مفید مقصد) معلوم نہ ہو اس کو چھوڑ دو، جس بات کا کچھ نتیجہ نہ ہو اس کے درپے نہ ہو اس میں دین کی راحت تو ہے ہی واللہ دنیا کی بھی اس میں راحت ہے، فضول باتوں ہی سے عداوت و بغض و حسد و کینہ پیدا ہوتا ہے، چنانچہ جھوٹ اور غیبت و شکایت سب

انہی فضول و لغو باتوں کے افراد ہیں اور یہی سارے فسادوں کی جڑ ہیں، اور جھوٹ اور غیبت وغیرہ کے علاوہ بھی جو بے فائدہ باتیں ہیں ان سے بھی بعض دفعہ برے نتائج پیدا ہوتے ہیں، بعض دفعہ انسان پچھتا تا ہے کہ میں نے یہ بات کیوں کہی تھی، دوسرے ان فضول قصوں میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے، بعد میں انسان کو اس کا بھی قلق ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں ذرا بھی سلامتی ہو، اور جو شخص محض ضروری باتوں کا عادی ہو، فضول و لغو سے احتیاط کرتا ہو وہ ان سب پریشانیوں سے محفوظ رہے گا، اس کو راحت ہی راحت ہے، بس سوالات لال یعنی (یعنی فضول سوالات) تو پہلے ہی دن حذف ہو جائیں گے اب اس کا سارا وقت ضروری کاموں اور ضروری باتوں میں صرف ہوگا، تو جب اس میں دنیا کی بھی راحت ہے اور دین کی بھی پھر کیا وجہ ہے کہ اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا، اگر کوئی تم سے فضول بات پوچھے جس کا جواب تم کو معلوم نہیں تو صاف کہہ دو کہ ہم نہیں جانتے، میں سچ کہتا ہوں کہ اس جواب میں ایسی راحت ہے جو کسی جواب میں نہیں۔

(جمال الجلیل ملحقہ جزا و سراسر ص ۲۸)

## باب

### اتحاد و اتفاق کی اہمیت و ضرورت اور باہمی اختلافات

#### کے نقصانات

اس وقت سب سے زیادہ سخت ضرورت باہمی اتفاق کی ہے، مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں میں جہالت کے ساتھ نا اتفاقی حد درجہ کی ہے۔ اس حسد اور نا اتفاقی کی بدولت (مسلمان) اپنا آپ نقصان کئے لیتے ہیں۔

(الردعۃ الی اللہ ص ۶۲)

یہ زمانہ آزادی و خود رانی کا ہے ہر شخص جدا جدا اسلام پر حملہ کرنے کو تیار ہے، غیر اسلام والے بھی اسلام پر حملہ کرتے ہیں، اور خود اہل اسلام میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اسلام پر حملہ کرتے ہیں اور یہ حملہ زیادہ مضر ہے کیونکہ غیر اہل اسلام تو صورتاً و حقیقتاً دونوں طرح مخالف ہیں ان کو دشمن سمجھا جاتا ہے اور دشمن کی بات کا زیادہ اثر نہیں ہوتا اور یہ لوگ دشمن بصورت دوست ہیں ان کے جال سے بچنا مشکل ہے، اس واسطے ضرورت ہے کہ سب مسلمان متفق ہو کر (دین کی ترقی کی) کوشش کریں، اب اختلاف کا وقت نہیں رہا۔

(السوق الاہل الشوق ص ۳۷)

### اتحاد و اتفاق کی اہمیت و ضرورت پر سب کا اتفاق ہے

باہم اتحاد و اتفاق (ایسی ضروری چیز ہے کہ) ساری دنیا اس کی دعوت دیتی

ہے خواہ اس کی حقیقت سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں لیکن اس پر اتفاق ہے کہ اتفاق ضروری ہے، اور تمدن کے تمام اصول اس پر موقوف ہیں، تمدن کی کوئی اصل اس کے بغیر بار آور نہیں ہو سکتی، باہم اتحاد و اتفاق (کا ضروری ہونا) جس طرح قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے اسی طرح وہ تمدن کا بھی مسئلہ ہے بلکہ تمدن پرستوں کے نزدیک تو تمدن کے تمام ہی مسائل کا وہی اصل الاصول اور بنیاد ہے، اور ان کا کوئی لکچر اور تقریر اس سے خالی نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ اتحاد و اتفاق ایسی شئی ہے کہ یورپ والوں کو دنیا کے لئے مطلوب ہے اور ہم کو دین کی وجہ سے مطلوب ہے، مگر اس کا متفق علیہ ہونا تو ثابت ہوا، اتحاد و اتفاق کو کوئی بھی برا نہیں سمجھتا، اس کے استحسان پر سب کا اتفاق ہے۔

(الاتفاق لمحقة آداب انسانیت ص ۴۲، ص ۴۳۸، التلخیص ص ۶ ج ۱۳)

## امت میں اختلاف کی ابتداء

امت میں اختلاف (فساد) کی بنیاد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ قتل سے پڑی ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جب میری امت میں تلوار نیام سے باہر نکل جائے گی تو پھر قیامت تک نیام میں نہ ہوگی، علماء سلف نے تصریح کی ہے کہ اس کی ابتداء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہوئی ہے، یہ پہلا واقعہ ہے کہ جس میں مسلمانوں کے اندر اختلاف و نزاع پیدا ہوا، اس کے بعد پھر اختلاف بڑھتا ہی گیا، کبھی کبھی بیس بیس کا تو فرق ہوا مگر (اختلاف) کا استیصال (بالکلیہ خاتمہ) کبھی نہیں ہوا۔

(الانسداد للفساد لمحقة آداب انسانیت)

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین دعائیں

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے تین دعائیں کی تھیں، ایک یہ کہ میری امت قحط عام سے ہلاک نہ ہو، دوسرے یہ کہ مخالفین کا ان پر عام غلبہ نہ ہو جس سے مسلمانوں کا استیصال ہو جائے (یعنی جڑ سے ختم ہو جائیں) تیسرے یہ کہ مسلمان آپس میں نہ لڑیں، پہلی دونوں دعائیں قبول ہوئیں، اور بجز اللہ آج تک برابر ان دونوں بلاؤں سے یہ امت محفوظ ہے، نہ اس پر قحط عام ہوتا ہے، نہ مخالفین کا عام غلبہ ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ کسی خاص مقام پر مسلمان مغلوب ہوں لیکن کسی دوسرے مقام پر مسلمانوں کا غلبہ بھی ہوتا ہے، اور غلبہ نہ بھی ہو تو استیصال (یعنی بالکلیہ خاتمہ) تو مسلمانوں کا قیامت تک نہ ہو سکے گا، بلکہ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ جہاں مسلمان مغلوب بھی ہیں وہاں بھی اسلام کی روز بروز ترقی ہے، بہت سے کافر آئے دن اسلام میں داخل ہوتے جاتے ہیں، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت ہے تاکہ مسلمانوں کا استیصال نہ ہو جائے۔

مگر تیسری بات کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ ”فَمَنْعَنِهَا“ (اللہ نے مجھ کو اس سے روک دیا اور) یعنی یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔

(مسلم شریف کتاب الفتن)

اسی لئے یہ مرض (یعنی باہمی اختلاف) اور بھی سخت ہے کیونکہ اس کے متعلق دعا قبول نہ ہونے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مرض مسلمانوں میں باقی رہے گا، اس کا استیصال (یعنی خاتمہ) نہ ہوگا۔ پس اس کے علاج کی طرف ہر وقت توجہ

کی ضرورت ہے کیونکہ مادہ تو موجود ہی ہے ذرا سی غفلت میں اس کے بڑھ جانے کا خطرہ ہے۔

نیز باہمی اختلاف کا مرض اس لئے بھی اشد ہے کہ بہت پرانا ہے اور ظاہر ہے کہ پرانا بخار دق (یعنی ٹی بی) بن کر ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔

جس طرح امراض جسمانی میں شیوع و عدم شیوع (یعنی وبائی شکل میں مرض ہو جانے یا نہ ہونے) سے فرق ہوتا ہے اسی طرح امراض نفسانی میں بھی ہوتا ہے، باہمی اختلاف ایسا مرض ہے جس کی آج کل بہت کثرت ہے، اور آج کل سے مراد صرف یہی زمانہ حاضرہ نہیں بلکہ کئی سالوں سے اس کی بہت کثرت ہے (اس لئے اس کا فوری علاج ضروری ہے)

(الانسداد للفساد ولاحقہ آداب انسانیت ص: ۳۷۷)

## امت سے جب اختلاف مٹے گا نہیں تو

## اتحاد و اتفاق کی کوشش کیوں کی جائے؟

شاید کوئی کہے کہ جب حدیث شریف میں پیشین گوئی کی جا چکی ہے کہ (امت کی) یہ باہمی نا اتفاقی کا مرض زائل نہ ہوگا تو پھر علاج کی کیا ضرورت؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی پیشین گوئی کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ طبیب (ڈاکٹر) کو کسی خاص مریض کے متعلق معلوم ہو جائے کہ یہ پرہیز نہ کرے گا اس لئے پیشین گوئی کر دے کہ یہ بیمار اچھا نہ ہوگا، مگر اس کی بد پرہیزی کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ اچھا نہ ہوگا۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ مرض خود لا علاج ہو، جیسے دق (ٹی بی کا مرض) جو درجہ چہارم میں (آخری درجہ کو) پہنچ جائے، سو یہاں پیشین گوئی دوسری صورت کی نہیں بلکہ پہلی صورت کی ہے، تو اس سے مرض کا لا علاج ہونا اور علاج کا غیر نافع یا غیر ضروری ہونا لازم نہیں آتا۔

اور اس پیشین گوئی کی دوسری صورت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تقسیم (جو اوپر کی گئی) امراض جسمانی ہی کے ساتھ خاص ہے کہ ان میں بعضے (امراض) خود لا علاج ہوتے ہیں اور بعضے بد پرہیزی سے خطرناک ہو جاتے ہیں، اور امراض نفسانی (وروحانی) میں یہ تقسیم ہی نہیں بلکہ یہاں سب امراض قابل علاج ہیں لا علاج کوئی نہیں، بلکہ ایک حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امراض جسمانیہ بھی فی نفسہ لا علاج کوئی نہیں۔ (گو اس مرض کے علاج تک ہماری رسائی نہ ہوئی ہو)

(الانسداد للفساد ص ۳۷۹ ملحقہ آداب انسانیت)

www.alislahonline.com

الغرض امراض روحانی میں وہ تقسیم نہیں ہے بلکہ جملہ امراض روحانی کی دوا واقع میں بھی ہے اور ہم کو بتلائی بھی گئی ہے، یہاں کوئی مرض ایسا نہیں ہے جس کی دوا بتلائی نہ گئی ہو، سارا مطب مکمل ہے، اور مکمل کر کے ہی ”اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي“ نازل ہوا ہے۔ اگر کسی کا روحانی مرض لا علاج ہوتا اور کوئی روحانی مریض مایوس العلاج ہوتا تو سب سے زیادہ مستحق اس کے وہ لوگ تھے جن کے بارے میں ”خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ“ نازل ہوا ہے (کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی) مگر ان کا کفر بھی فی نفسہ لا علاج نہ تھا بلکہ ان لوگوں کے اختیار میں تھا اس طرح سے کہ ایمان لے آتے، گوان کا ایمان نہ لانا حق تعالیٰ کو معلوم تھا، مگر اس سے ان لوگوں کا اختیار ختم نہیں ہوا (بلکہ ایمان

لانے پر ان کو قدرت تھی) اور یہ پیشین گوئی ان کی اختیاری بد پر ہیزی کی وجہ سے کی گئی ہے۔ (خلاصہ یہ کہ) ان کا ایمان نہ لانا ان کے اختیار سے ہوگا یہ مطلب نہیں کہ ان کو ایمان پر قدرت و اختیار ہی باقی نہیں رہا، خوب سمجھ لو۔

(الانسداد للفساد ص ۳۸۳ و ۳۸۵)

## کسی بات کی پیشین گوئی ہو جانے سے اس کا اختیار سے خارج ہونا لازم نہیں آتا

یہ بات ثابت ہوگئی کہ نصوص میں کسی امر کی پیشین گوئی وارد ہونے سے اس کا اختیار سے خارج ہونا لازم نہیں آتا، اور جب وہ اختیار سے خارج نہیں تو اس کی تدبیریں کرنا فضول نہیں، ورنہ اگر پیشین گوئی مانع تدبیر ہو تو چاہئے کہ آج سے حفظ قرآن کو ترک کر دیا جائے کیونکہ قرآن میں پیشین گوئی ہے، ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ جس میں حفاظت قرآن کا وعدہ ہے تو پھر نعوذ باللہ قرآن کا پڑھنا بھی چھوڑ دو، لکھنا بھی چھوڑ دو، چھاپنا بھی چھوڑ دو، اور جو لکھے ہوئے رکھے ہیں ان کو دفن کر دو، اور کہہ دو کہ بس قرآن کا حافظ اللہ ہی کافی ہے، ایک ہی حافظ بہت ہے اور وہ حافظ بھی کیسا جو محافظ بھی ہے، جتنے طریقے حفاظت کے ہیں وہ سب خود ہی کر لیں گے کیونکہ ”إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ میں سب طریقے آگئے مگر مسلمانوں نے آج تک ایسا نہیں کیا حالانکہ یہاں بھی تو پیشین گوئی ہو چکی ہے، پھر اس کی کیا وجہ کہ یہاں تو آپ نے یہ تجویز کیا کہ قرآن کو حفظ بھی کیا اور لکھا بھی، چھاپا بھی، اور ان سب باتوں کو اپنے اوپر فرض بھی سمجھا، اور نا اتفاقی کے متعلق پیشین گوئی وارد ہونے سے آپ نے یہ تجویز کر لیا کہ جب پیشین گوئی ہو چکی ہے تو

اب علاج کی کیا ضرورت ہے، میں کہتا ہوں کہ جب حفاظت قرآن کا وعدہ ہو چکا ہے تو پھر آپ کی حفاظت کی کیا ضرورت ہے، آپ پر بھی وہی اعتراض پڑتا ہے جو آپ اس مسئلہ میں ہمارے اوپر کر رہے ہیں، اس کا جواب دیجئے، آخردونوں میں فرق کی کیا وجہ ہے؟ اگر آپ نہیں بتلاتے تو لیجئے میں بتلاتا ہوں۔

آپ اس اعتراض کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں اِنَّآ لَهُ لَحَافِظُونَ کے معنی یہ ہیں کہ ہم ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا کرتے رہیں گے جو اس کی حفاظت میں کوشش کریں گے، اور ہم حفاظت کے طریقے ان کے قلوب میں ڈال دیں گے کہ وہ اس کو یاد بھی کریں گے، لکھیں گے بھی، پڑھیں اور پڑھائیں گے بھی، گویا اس طرح ہم ہی قرآن کے محافظ ہیں، تو میں کہتا ہوں کہ یہ مبنی دونوں جگہ مشترک ہے یعنی جیسا کہ حفاظت قرآن کی پیشین گوئی کے بعد آپ کی حفاظت کو بھی اس میں دخل ہے، اسی طرح نا اتفاقی کی پیشین گوئی کے بعد بھی آپ کی بد پر ہیزی کو اس میں دخل ہے اور اس پیشین گوئی کے بھی یہ معنی ہیں کہ چونکہ یہ لوگ باختیار خود بد پر ہیزی کریں گے اس لئے نا اتفاقی رہے گی، پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ خدا اور رسول کا کسی چیز کے متعلق پیشین گوئی کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دائرہ تکلیف سے (یعنی آدمی کی قدرت سے) باہر ہو جائے، اور اس کی تدبیر نہ کی جائے، اور اس کا راز یہی ہے جو میں نے شروع میں کہا تھا کہ پیشین گوئی کبھی مرض کے لا علاج ہونے کی وجہ سے کی جاتی ہے اور کبھی مریض کے بد پر ہیز ہونے کی وجہ سے، اور امراض روحانیہ میں لا علاج کوئی مرض نہیں، یہاں جو پیشین گوئی بھی ہوتی ہے، مریض کے بد پر ہیز ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

پس اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ نا اتفاقی کا دور کرنا آپ کی قدرت

سے باہر ہے اس لئے اس کی تدبیر بھی نہ کرنا چاہئے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ لوگ اس سے اپنے اختیار سے خود پرہیز نہ کریں گے اس لئے یہ مرض باقی رہے گا، لیکن اگر علاج کریں تو علاج کے مفید ہونے کی یہاں نفی نہیں۔ (وعظ الانسداد ۳۸۶)

## چند اشکالات اور ان کے جوابات

شاید اس پر کوئی یہ کہے کہ اگر سب نے اس مرض کا علاج کر کے اتفاق کر لیا تو حدیث کی پیشین گوئی غلط ہو جائے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مگر واقع میں سب ایسا کریں گے ہی نہیں، بلکہ تھوڑے بہت ضرور ایسے رہیں گے جو اتفاق کرتے رہیں گے، مگر ان میں تم ہی کو داخل ہونے کی کیا ضرورت ہے، اور اس کی کیا دلیل ہے کہ تم ہی اس کے مصداق ہو؟

## امت میں اختلاف باقی رہنے کی پیشین گوئی

### حکم تکوینی ہے تشریحی نہیں

اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ میں اس پیشین گوئی کے سچا کرنے کے لئے نا اتفاق کرتا ہوں تاکہ اس کا مصداق موجود رہے، یہ غلط نہ ہو جائے، تو اس سے کہا جائے گا کہ آپ کو اس کے سچا کرنے کی ضرورت نہیں، تم کو اس کا مکلف نہیں کیا گیا، قیامت میں آپ سے یہ سوال ہرگز نہ ہوگا کہ تم نے ہماری پیشین گوئی سچا کرنے کا اہتمام کیا تھا یا نہیں، بلکہ وہاں تو آپ سے ان امور (باتوں) کا سوال ہوگا جن کا حکم دیا گیا ہے، اور پیشین گوئی کے سچا کرنے کا آپ کو حکم نہیں دیا گیا، لہذا یہ جواب نہ سنا جائیگا، میں دنیا میں اس کی نظیر آپ کو دکھلاتا ہوں وہ یہ کہ پولیس میں

مردم شماری کا تجربہ سے اوسط مقرر ہوتا ہے کہ اتنے آدمیوں میں اتنے بد معاش اور جرائم پیشہ ضرور ہوتے ہیں، تو کیا کوئی مجرم مجسٹریٹ سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے تو جرم اس لئے کیا ہے کہ پولیس کا قاعدہ میں نے دیکھا تھا کہ بد معاشوں کا اوسط اتنا ہے تو میں نے اس اوسط کو پورا کرنا چاہتا کہ یہ قاعدہ غلط نہ ہو جائے اس لئے میں مجرم نہیں ہوں، بلکہ حقیقت میں سرکار کا خیر خواہ ہوں، تو کیا مجسٹریٹ اس کا یہ عذر سن لے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ سرکاری وکیل فوراً کہے گا کہ نالائق کیا تیرا نام بھی اوسط میں لکھا ہوا تھا؟ پھر تو اس میں کیوں داخل ہوا، جی اوسط تو واقعہ ہے، قانون تو نہیں ہے، یہ مطلب تو نہیں کہ اوسط کو دیکھ کر خواجواہ اس کے پورا کرنے کے لئے جرم کیا جائے، اسی طرح یہ پیشین گوئی حکم تکوینی ہے، حکم تشریحی نہیں ہے۔

(الانسداد ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۸۶، ۳۸۷)

## اسلام میں نظم و اتحاد باقی رکھنے کی اہمیت

### حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل

فرمایا: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا باغیوں نے محاصرہ کر لیا (یعنی گھیر لیا) تو آپ کے لشکریوں میں سے ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ باغیوں کا سردار نماز پڑھا رہا ہے ہم لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ پڑھ لو (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے) اس فتوے کی بنیاد اور مقصد وہی نظم (و اتحاد) کی حفاظت تھی۔

اسی طرح شرعی حکم ہے کہ اگر کوئی شخص عید کا چاند دیکھے اور حاکم شرعی اس کو قبول نہ کرے تو اس کو روزہ رکھنا واجب ہے (اور عید کرنا جائز نہیں) اور اگر روزہ

نہ رکھا تو قضاء واجب ہوگی، یہ مجال نہیں کہ کوئی شخص تفریق کلمہ کا باعث ہو سکے، اگرچہ اس نے اپنی آنکھ سے چاند دیکھا ہو، یہ سب انتظام ہی تو ہے، اتحاد اور نظم کے باقی رکھنے کا اس قدر شریعت میں اہتمام کیا گیا ہے۔

(مقالات حکمت مطبوعہ پاکستان ص ۲۰۴)

## حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل

عن ابن مسعود انه صلى اربعاً فقليل له عبت على عثمان ثم صليت اربعاً فقال الخلف شراً.

(اخرجه ابو داؤد تيسير كليلة ص ۲۳۹ کتاب الصلوة باب ثامن)

(ترجمہ) حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ انہوں نے (سفر میں)

فرض چار رکعت پڑھی کسی نے پوچھا کہ تم نے حضرت عثمانؓ (پر قصر نہ کرنے میں) اعتراض کیا تھا، پھر خود چار پڑھی آپ نے جواب دیا کہ خلاف کرنا موجب شر ہے۔

(الاقصا دینی بحث التقليد والا اجتہاد ص ۸۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تو باوجود اختلاف رائے کے

جب اختلاف فی العمل میں فتنہ کا احتمال دیکھا تو خود عمل اتمام صلوة میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اتباع فرمایا اور پوچھنے پر اس کی بنیاد فرمائی ولکن الخلاف شر۔ (لیکن اختلاف شر ہے)

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مسلک (ایک خاص مسافت

میں) نماز میں قصر کرنے کا تھا جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مسلک اسی صورت میں اتمام (یعنی پوری نماز پڑھنے) کا تھا لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ

عندہ کی عظیم المرتبت شخصیت نے قصر صلوة میں فتنہ کا خدشہ اور عوام کے تشویش میں پڑ جانے کا خطرہ محسوس کیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے اپنی تحقیق کو چھوڑ کر حضرت عثمانؓ کی اتباع میں اتمام کیا (یعنی پوری چار رکعت پڑھیں) تاکہ امت میں انتشار نہ ہو۔

(رسالہ فتاویٰ بند ص ۱۶ مطبوعہ دہلی)

## آپس کا اتحاد و اتفاق اللہ کی بڑی نعمت ہے

وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا.

(پ ۴ آل عمران)

ترجمہ و تفسیر: اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم باہم دشمن تھے یعنی قبل اسلام کے، چنانچہ اوس و خزرج میں ایک طویل مدت سے جنگ چلی آتی تھی، اور عام طور پر اکثر عرب کے لوگوں کی یہی حالت تھی، پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں ایک دوسرے کی الفت ڈال دی سو تم خدا تعالیٰ کے اس انعام تالیف بین القلوب سے اب آپس میں بھائی بھائی کی طرح ہو گئے۔ یہ تو دنیوی نعمت ہے۔

وَ كُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا

(پ ۴ آل عمران) اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارہ پر کھڑے تھے کہ جہنم میں جانے کے لئے صرف مرنے کی دیر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اس سے بچالیا۔

یہ دینی نعمت ہے، ان نعمتوں کو یاد کر کے ان کا شکر ادا کرو، اور شکر وہی ہے کہ جبل اللہ (یعنی اللہ کی رسی کو) کو مضبوط پکڑ لو، تم ان انعاموں کی قدر کرو اور آپس

کے جدال و قتال سے جو کہ معصیت ہے ان انعاموں کو ضائع مت کرو، کیونکہ اس جدال و قتال (لڑائی جھگڑے) سے انعام تالیف (اتحاد کا انعام) بالکل ہی زائل ہو جائے گا اور انعام اسلام مختل اور ناقص ہو جائے گا یہ بھی ایک گونہ ضائع ہونا ہے۔  
(بیان القرآن ص ۴۴ ج ۱، آل عمران، الدوام علی الاسلام ملحقہ البدائع ص ۱۹۰ بدیع ۶۹)

## آپسی اختلاف سے دین و دنیا دونوں کا نقصان

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ، وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ؛

(پ۔ سورہ انفال)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور باہم نزاع (جھگڑا) مت کرو، ورنہ باہمی نا اتفاقی سے کم ہمت ہو جاؤ گے کیونکہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی، ایک کو دوسرے پر وثوق (اعتماد) نہ ہوگا، اور اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، ہوا خیزی سے مراد بد رعشی ہے کیونکہ دوسروں کو اس نا اتفاقی کی اطلاع ہونے سے یہ امر لازمی ہے۔  
(بیان القرآن ص ۴۴ ج ۱، انفال پ ۱۰)  
حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

”وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا“ کہ اللہ کی رسی کو (یعنی قرآن و احکام قرآن کو جس میں حدیث و فقہ بھی سب شامل ہیں، کیونکہ سب اسی ایک متن کی شروح ہیں) مضبوط پکڑ لو، اور آپس میں افتراق (اختلاف) نہ کرو، کیونکہ اس سے دین کو بھی سخت ضرر پہنچتا ہے جس کی بنا پر حدیث میں فساد ذات البین (آپسی اختلاف) کو حائقہ (دین کو مونڈنے والا) فرمایا گیا ہے۔

(البدائع بحوالہ الدوام علی الاسلام ص ۱۷۷، بدیع ۶۹)

## آپسی فساد سے دین کا بالکل صفایا ہو جاتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (آپسی اختلاف اور) نا اتفاقی کا نقصان بتلایا ہے، فرماتے ہیں:

”ایاکم وفساد ذات البین فانها هی الحالقة“

یعنی اپنے کو باہمی فساد سے بچاؤ کیونکہ باہمی فساد مونڈنے والی چیز ہے، آگے فرماتے ہیں!

لأقول تحلق الشعوبل تحلق الدین، میں یہ نہیں کہتا کہ اس کے سر کے بال منڈ جاتے ہیں بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اس سے دین منڈ جاتا ہے، اور منڈنا کسے کہتے ہیں؟ منڈنا یہ ہے کہ خر بوزہ کی طرح سر نکل آئے بال کا نشان تک نہ رہے تو حاصل یہ ہوا کہ آپسی فساد سے دین کا بالکل صفایا ہو جاتا ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نا اتفاقی اور باہمی فساد کے نقصان کو بتلادیا اور واقعی اس سے زیادہ کیا نقصان ہوگا کہ اس سے دین کا بالکل صفایا ہو جاتا ہے۔

www.alislahonline.com

(وعظارتباط ملحقہ ارشادات حکیم الامت ص ۵۰۷)

شاید کسی کو یہاں یہ شبہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس حدیث پاک میں دین کا ضرر بتلایا ہے سو اس سے دنیا داروں کو کیا خوف؟ تو سمجھ لیجئے کہ دین ایسی شئی نہیں ہے جس کے ضرر (نقصان) سے دنیا کا ضرر نہ ہو، دین کا نقصان وہ چیز ہے جو دنیا کے نقصان کا بھی ذریعہ ہے، کیونکہ گودین کے ساتھ دنیا کم ملتی ہے مگر پر لطف ہوتی ہے، اور دین کے بغیر خود دنیا بے لطف ہے تو اس سے بڑھ کر کیا نقصان ہوگا۔  
(اصلاح ذات البین ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۳۸)

## باہمی اختلاف سے دین کا نقصان کیسے ہوتا ہے

فساد کا پہلا اثر تو یہ ہوتا ہے کہ دو شخصوں میں عداوت ہو جاتی ہے، ہر شخص دوسرے سے غیر مطمئن ہو جاتا ہے، اور فریقین کو ایک دوسرے کی عداوت سے اندیشہ اور خوف ہو جاتا ہے، پھر آگے عداوت کا سلسلہ نسل در نسل بہت دور تک چلتا ہے، وہ اس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے یہ اسکو، وہ اسے مالی اور جسمانی نقصان پہنچانا چاہتا ہے، اور یہ اس کو، یہ اس کی (عزت و) آبرو ختم کرنا چاہتا ہے، وہ اس کی، یہاں تک کہ جائز ناجائز کا بھی خیال نہیں رہتا، اب اگر کسی سے کہو کہ بھائی انتقام کا یہ طریقہ ناجائز ہے تو کہتے ہیں کہ اگر ہم جائز و ناجائز ہی میں رہے تو دوسرا اچھی طرح سے کسر نکال لے گا، جب دوسرے کو دین کی پرواہ نہیں تو ہم کیسے پرواہ کریں، اب دنیا کے ساتھ دین بھی برباد ہونے لگا، چنانچہ اسی۔۔۔۔۔ واقعہ میں ایسا ہی ہوا کہ پہلے دو شخصوں کے خیالات ایک دوسرے کی طرف سے بدلے تھے، پھر عداوت ہو گئی، پھر ہر قسم کے اضرار (نقصان پہنچانے) کا سلسلہ چلا، یہاں تک کہ دین کی بھی پرواہ نہ رہی۔

پھر بعض دفعہ اس فساد میں مقدمہ بازی تک کی نوبت آتی ہے، جس میں وکیلوں سے مشورہ لیا جاتا ہے، وکیل ہر طرح کے ہوتے ہیں بعض وکیل جھوٹے مقدموں کو بھی لے لیتے ہیں اور مکرو فریب کی تدبیریں بتلا کر اس کو چلاتے ہیں، میں کیا کہوں آج کل تو بعض علماء بھی ایسے ہوتے ہیں، اللہ حفاظت فرمائے۔

(اصلاح ذات البین ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۵۶)

## باہمی اختلاف سے قلب پر ظلمت چھا جاتی ہے اور

### سلب ایمان تک کا خطرہ ہو جاتا ہے

آپسی اختلاف (فساد) کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ اختلاف سے قلب پر ظلمت چھا جاتی ہے (اور دلوں میں) زنگ لگ جاتا ہے، جس کو قرآن مجید میں رَیْن (زنگ، سیاہی) فرمایا ہے، ”كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ“۔ (پ ۳۰ مطففین)

ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔ (بیان القرآن)

اور حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ یعنی دھبہ لگ جاتا ہے، پھر جتنی معصیت بڑھتی ہے اتنا ہی وہ نقطہ بڑھتا ہے، اور اگر توبہ کی توفیق ہو جائے تو وہ نقطہ سیاہ قلب سے دھل جاتا ہے، مگر عداوت میں توبہ کی بھی توفیق کم ہوتی ہے، اس لئے ہر شخص اس میں ترقی ہی کرتا چلا جاتا ہے، اور اس اصرار سے وہ نقطہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ بعض دفعہ ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے، اسی اصرار کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

”كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ“۔ (سورۃ مائدہ پ ۶)

یعنی ان پر شدید عذاب اس لئے آیا کہ وہ کسی برے کام سے جس کو ایک دفعہ کر لیا ہو باز نہ آتے تھے، اور گناہ کی ایسی ظلمت ہوتی ہے کہ دنیا میں بھی دل کے اندر محسوس ہوتی ہے، اور اگر کبھی ہم کو اس ظلمت کا احساس نہ ہو تو وجہ اس کی یہ ہے

کہ ہم کو نور کا احساس نہیں ہوا، اور اس کے احساس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی عمر میں سے زیادہ نہیں صرف تین ہی دن ایسے نکال لیجئے جن میں کوئی کام خلاف شرع نہ کیا جائے، بلکہ ان دنوں کو اللہ کی یاد میں اور قرآن کی تلاوت میں گزارا جائے، اس وقت قلب میں ایک خاص اطمینان کی کیفیت ہوگی وہ نور ہے، اس کے بعد ہم اپنی عادت کے موافق دہِ درودِ ہوجائیں (یعنی حسب عادت پھر خوب غلط کام اور غلط باتیں کرنے لگیں) اس سے ایک کیفیت پیدا ہوگی وہ ظلمت ہے، اس واقعہ میں چونکہ نور کا احساس ہو چکا ہے اس لئے اب گناہ کا احساس ہوگا، اور ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دل میں سے کوئی نورانی چیز نکل رہی ہے، اور اس کی جگہ ظلمت اور تاریکی پیدا ہو رہی ہے۔

صاحبو! اگر ہمیشہ کے لئے ایسے نہ بن سکو تو امتحان کے لئے تین دن تو ایسے بن جاؤ، اس سے کم از کم یہی نفع ہوگا کہ آپ کو ظلمت و نور کا احساس تو ہو جائے گا، پھر اختیار ہے چاہے نور کو اختیار کر لو چاہے ظلمت کو، مگر خدا کے لئے ایک دفعہ دنوں کی حقیقت سے تو آشنا ہو جاؤ، امتحان ہی کے طور پر سہی۔

اور جیسے کبھی اپنے گناہوں سے پریشانی ہوا کرتی ہے ایسے ہی دوسروں کے گناہوں سے بھی پریشانی ہوا کرتی ہے، حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا تو نماز کے بعد آپ نے فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وضو اچھی طرح کر کے نہیں آتے جس کی وجہ سے امام کو نماز میں سہو ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ گنہگار کے گناہ کا اثر بے گناہوں پر بھی پہنچتا ہے۔

افسوس یہ گنہگار (فسادی) ہر ایک کو پریشان کرتا ہے اپنے کو بھی اور دوسروں کو بھی۔  
(اصلاح ذات البین للتحقہ آداب انسانیت ص ۳۷۲، ۳۷۴)

## دشمن کو کبھی بھی کمزور نہ سمجھنا چاہئے معمولی دشمنی سے پورا گھر جل کر خاک ہو گیا

فساد والے شخص سے دنیا کا برباد ہونا ایسا بدیہی (اور یقینی امر) ہے کہ اس کے لئے مقدمات و دلائل کی ضرورت نہیں، بلکہ مشاہدہ ہی کافی ہے چنانچہ فساد کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ دو شخصوں میں عداوت ہو جاتی ہے، ہر شخص دوسرے سے غیر مطمئن ہو جاتا ہے، پھر عداوت میں ہر قسم کے ضرر (نقصان) کا احتمال ہوتا ہے گود دشمن ضعیف ہی کیوں نہ، بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ:

دانی کہ چہ گفت زال بارستم کرد دشمن نتواں حقیر و بے چارہ شمرد

یعنی دشمن کو کبھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے، اس سے ہوشیار رہنا چاہئے، مانا کہ تمہارا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا مگر دشمنی نکالنے کی اور بہت صورتیں ہیں۔

کیرانہ میں ایک قصہ ہوا کہ ایک صاحب کا عالیشان مکان تازہ بنا ہوا تھا، رات کو اس میں کسی نے آگ لگا دی مالک مکان سے تو کسی کی عداوت نہ تھی، وہ تو بیچارے بڑے اچھے اخلاق کے ہیں مگر اس مکان میں ایک سپاہی کرایہ دار رہتا تھا اس نے محلہ والوں میں سے کسی کی نالیش کر دی تھی، وہ دشمن ہو گیا، اور انتقام (بدلہ لینے) کا منتظر رہا، وہ سپاہی مکان کے بالا خانہ پر رہتا تھا اور نیچے کا حصہ مقفل (بند پڑا) تھا جس میں مالک مکان کا بہت کچھ سامان رکھا ہوا تھا، اس دشمن نے رات کو روشن دان کے ذریعہ سے یا کسی اور راستہ سے مکان کے نیچے کے حصہ میں مٹی کا تیل ڈالا پھر دیا سلائی (ماچس) اندر پھینک دی مٹی کے تیل میں آگ لگنا غضب

ہے، تھوڑی ہی دیر میں تمام سامان میز کرسیاں، صندوق وغیرہ جل گئے، اور آگ کے شعلے چھت تک پہنچے تو کڑیوں میں بھی آگ لگ گئی، وہ سپاہی مع اپنے اہل و عیال کے اوپر پڑا ہوا سوراہا تھا، کہ اچانک اس کو زمین سے گرمی محسوس ہوئی، اگر تھوڑی دیر وہ اور ٹھہرتا تو ہلاک ہو جاتا، مگر اس نے نہایت ہوشیاری اور پھرتی سے فوراً اپنے بچوں اور بیوی کو چھت سے علیحدہ کر کے زینہ سے نیچے اتار لیا، ان کا اترنا تھا کہ چھت فوراً گر پڑی اور اب آگ کے شعلے آسمان تک پہنچنے لگے، کیونکہ اب تک تو چھت حائل تھی اس لئے آگ اندر ہی اندر رہی، جب چھت گر پڑی تو شعلے بلند ہونے لگے، اب محلہ والوں کو خبر ہوئی اور سب چاروں طرف سے دوڑے، اور پانی ڈالنے لگے مگر اس سے کیا ہوتا، اس وقت پانی بھی مٹی کے تیل کا کام دے رہا تھا، لوگوں نے آگ بجھانے کی ہزار تدبیریں کیں مگر سب بیکار ہو گئیں، تین دن کے بعد آگ کو سکون ہوا، تو صاحب کمزور آدمی اگر مقابلہ نہ کر سکے تو یہ حرکتیں تو کر سکتا ہے کہ گھر میں آگ لگا دے، رات کو اینٹیں پتھر پھینک دے، اسی لئے عقلاء کہتے ہیں کہ دشمن چاہے چمار ہی کیوں نہ ہو وہ بھی برا، کسی کو دشمن بنانا اچھا نہیں، پھر کمزور آدمی مقابلہ سے اسی وقت تک رکتا ہے جب تک اسے جان کا خوف ہو اور اگر کوئی جان پر کھیل جائے تو مقابلہ بھی مشکل نہیں۔

(اصلاح ذات البین بلحقہ آداب انسانیت ص ۳۳۶، ۳۳۷)

## گالی دینے کی وجہ سے تین جانیں گئیں گھر اجڑ گیا

بریلی کا قصہ ہے کہ وہاں ایک کوتوال بڑے جاہ و جلال کے تھے وہ گالیاں بہت دیا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص کو گالی دے دی جو شاید راجپوت یا برہمن

تھا، اسے گالی کا تحمل نہ ہوا، جان پر کھیل گیا، اور موقع پا کر کوتوال پر اور اس کے ایک بیٹے پر ہاتھ صاف کر دیا (دونوں جان سے ختم ہو گئے گو) بعد میں اسے بھی پھانسی ہو گئی۔  
غرض بعض دفعہ کمزور دشمن جان پر کھیل جاتا ہے تو مقابلہ بھی کر بیٹھتا ہے، پس آپسی فساد کا پہلا عذاب تو یہ ہے کہ فریقین کو ایک دوسرے کی عداوت سے اندیشہ اور خوف ہو جاتا ہے، اور یہ خوف کا عذاب سب سے بڑھ کر ہے، کیونکہ اس سے ہر وقت دل میں کانٹا سا چھتا رہتا ہے۔ (اصلاح ذات البین ص ۳۳۷)

## غیبت سے دشمنی تک

(باہم اختلاف ہو جانے کی صورت میں) غیبت سے دوسرے تک بات پہنچتی ہے جس سے اس کے دل میں کبیدگی پیدا ہوتی، پھر وہ بھی اس کی غیبت کرتا ہے، اور پھر وہ بیچ والے کی بدولت پہلے شخص تک پہنچ جاتی ہے، جس کی وجہ سے اس عداوت میں اور ترقی ہو جاتی ہے، تو غیبت عداوت (دشمنی) کا باپ بھی ہے اور بیٹا بھی، یعنی کبھی عداوت سے غیبت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی غیبت سے عداوت ہو جاتی ہے، جس کا نسب ایسا بے ہودہ ہو اس کی بے ہودگی کے لئے یہی بات کافی ہے۔

پھر جب کوئی کسی کے درپے ہو جاتا ہے تو مشاہدہ ہے کہ دین کا خیال بالکل نہیں رہتا، اب نہ ایذاء (تکلیف پہنچانے) سے دریغ ہے، نہ جھوٹ اور فریب سے، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دشمن کو نقصان پہنچ جائے، چاہے اس کے ساتھ ہمارا بھی خاتمہ کیوں نہ ہو جائے، پھر اس کے لئے ہر ممکن تدبیر سوچی جاتی ہے، خواہ دین اور حیا اس کی اجازت دے یا نہ دے، کیونکہ آج کل شرافت تو رہی نہیں، اگر انسان میں دین بھی نہ ہو مگر شرافت ہو تو جب بھی بہت سے بے ہودہ کاموں سے بچا رہتا

ہے، اور جب نہ دین ہونہ شرافت تو اب اس سے کسی کام سے رکنے کی امید نہیں، آجکل شرافتِ نسب گوباتی ہے مگر شرافتِ اخلاق نہیں رہی، اسی لئے دشمنی میں انسان کسی قسم کی حرکتوں سے باز نہیں آتا۔ (الانسداد للفساد، آداب انسانیت ص ۴۰۴)

غیبت کو عداوت پیدا کرنے اور اتفاق کی جڑ کاٹ دینے میں خاص دخل ہے، غیبت دین و دنیا سب ہی کے مفاسد کی جڑ ہے۔

(ذم المکر وہات لمحقداصلاح اعمال ص: ۳۹۰)

## معمولی اختلاف سے عداوت

آج کل یہ حالت ہے کہ ذرا سے اختلاف میں عداوت اور نفرت ہو جاتی ہے بعض لوگ تو اپنے مخالف کے اس قدر درپے ہوتے ہیں کہ اس کو دنیاوی نقصان بھی پہنچانے کے درپے ہو جاتے ہیں، اور اگر اتفاق سے اسے کوئی دنیاوی نقصان پہنچ جائے تو اس کو اپنی کرامت اور اپنی بددعاء کا نتیجہ سمجھتے ہیں، یہ سچ ہے کہ اہل دل (بزرگوں) کو ستانا اچھا نہیں اس سے طرح طرح کے نقصان ہوتے ہیں مگر یہ کسی کو کب جائز ہے کہ وہ اپنے کو ایسا سمجھے۔ اور مصیبت زدوں کی مصیبت کو دیکھ کر تو خوش ہونا ہی نہ چاہئے بلکہ غمگین ہونا چاہئے اور ان کے لئے دعاء کرنا چاہئے اور یہ حالت ہونی چاہئے کہ جیسے کسی کا لڑکا جو اٹھتا ہے اور اس میں پکڑ گیا تو دیکھئے اس کے باپ کی کیا حالت ہوگی۔ اگرچہ اس خبر کو سن کر زبان سے کہہ دے گا کہ اچھا ہوا پکڑا گیا، لیکن دل کی یہ حالت ہوگی کہ بے قرار ہو جائے گا (ربائی کی) تدبیریں کرے گا دعائیں کرائے گا، اور جگہ جگہ کہتا نہ پھرے گا بلکہ اگر کوئی اس کے سامنے یہ تذہ کرے گا تو اس کو ناگوار ہوگا، لوگ اگر عیادت کو آئیں گے تو

ان کی عیادت لے گا، تو صاحبو! کیا وجہ ہے کہ اپنے بیٹے پر کوئی مصیبت آجائے تو قلب کی یہ حالت ہو جائے اور کسی دوسرے مسلمان پر کوئی مصیبت آئے تو دل کو اثر بھی نہ ہو، میں اسی کی شکایت کرتا ہوں۔ (فضائل العلم والحق یہ ملحقہ رحمت دو عالم ص ۲۸۹)

## دشمنی کا دینی و دنیوی نقصان

پھر دشمنی سے دنیا کا تو ضرر ہوتا ہی ہے دین کا بھی نقصان ہوتا کیونکہ اس صورت میں اطمینان قلب فوت ہو جاتا ہے اور اطمینان قلب سب کاموں کی جڑ ہے، دین کا کوئی تو کام بغیر اطمینان قلب کے اچھی طرح ہو ہی نہیں سکتا، میں کہتا ہوں کہ اس کے بغیر دنیا کا بھی کوئی کام نہیں ہوتا، تو اختلاط میں یہ کتنا بڑا ضرر ہے، ہمارے حاجی صاحب کی وصیت ہے کہ کسی سے نہ دوستی بڑھائیں نہ دشمنی پیدا کریں، بس سب سے معمولی سلامت رکھیں، کیونکہ دشمنی تو قلب کی پریشانی کا سبب ہے، اور آج کل دوستی بھی اس (پریشانی کا) سبب ہو جاتی ہے۔

www.alislahonline.com

(التبلیغ وعظ تقلیل الطعام ۲۲/۶۵، خیر المال ص: ۱۱۴)

## ایسے انسان میں کوئی بھلائی نہیں

### جس کے اندر محبت کا مادہ نہ ہو

شریعت کا اصول ہے لَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ یہ حدیث ہے یعنی اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ خود دوسروں سے محبت رکھے نہ دوسرے اس سے محبت رکھیں، بعض لوگ ایسے اکھڑ مزاج ہوتے ہیں کہ ان کو ملنا جلنا پسند نہیں آتا اس حدیث میں ان کی مذمت وارد ہے۔ (ذم المکر وہات ص: ۴۲۵)

## اللہ واسطے محبت کرنے والوں کی فضیلت

شریعت نے محبت کو منع نہیں کیا ہے بلکہ اس کی فضیلت بیان فرمائی ہے، ہاں بناوٹ اور محض ظاہری محبت سے منع کیا ہے اور اس محبت کی تعلیم دی ہے جو ظاہر و باطن اور حاضر و غائب ہر حالت میں یکساں ہو جس میں سوائے اللہیت کے کچھ نہ ہو، ایسی محبت کی بے انتہا فضیلت حدیث میں وارد ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ اعلان کیا جائے گا این المتحابون فی اللہ اظلمہم فی ظلمی یوم لا ظل الا ظلی یعنی وہ لوگ کہاں ہیں جو آپس میں اللہ واسطے محبت رکھتے تھے، آج میں ان کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا جب کہ کوئی سایہ سوائے میرے سایہ کے نہیں ہے ایسی محبت کیسی اچھی چیز ہے اور واقعی محبت یہی ہے، وہ محبت جس کو آج کل عشق کہتے ہیں کوئی چیز نہیں۔

یہ دیکھا گیا ہے کہ دو شخصوں میں بہت گہری محبت تھی کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا یکجا تھا اور لوگ کہتے تھے کہ ان میں بڑی محبت ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر چین نہیں آتا لیکن ذرا سی بات پر بگاڑ ہو گیا تو مقدمہ بازی اور فوجداری تک نوبت آگئی اور ساری محبت دشمنی میں تبدیل ہو گئی، یہ کیا محبت ہے جو محض چند روزہ کا جوش ہے، لوگوں نے حقیقی محبت دیکھی ہی نہیں، حقیقی محبت وہ ہے جو کسی وجہ سے بھی زائل نہ ہو سکے، وہ محبت دنیا کے فنا ہونے سے بھی فنا نہیں ہوتی، امام شافعی صاحب کا مقولہ ہے کہ ہمیں تو جنت کی آرزو اس لئے ہے کہ وہاں دوستوں سے ملاقات رہے گی۔

(وعظ ذم المکر وہات ملحقہ اصلاح اعمال ص ۲۲۶)

## باب

### اتحاد و اتفاق کے مختلف اسباب

اتحاد و اتفاق کیلئے اس کے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے

اس وقت ساری دنیا اتفاق اتفاق پکار رہی ہے مگر اس کے جو اسباب ہیں ان سے بالکل ناواقفیت ہے، اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص چھت پر جانا چاہتا ہے مگر زینہ سے نہیں جانا چاہتا، اچک کر جانا چاہتا ہے اور ایک جست (چھلانگ) لگاتا ہے اور گر پڑتا ہے، اسی طرح پھر جست لگاتا ہے اور پھر گرتا ہے تو یہ شخص چھت پر کیوں نہیں پہنچا؟ اس لئے کہ اوپر جانے کا جو طریق ہے اس سے نہیں گیا، اس نے اس پر عمل نہیں کیا، اسی واسطے شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی کہ مطلقاً اسباب چھوڑ دو بلکہ اس کا حکم کیا ہے کہ جس شئی کے جو اسباب پیدا کئے گئے ہیں اس کو ان ہی (اسباب کے ذریعہ) سے طلب کرو۔

(الاتفاق ملحقہ آداب انسانیت ص ۳۲۸)

ہمارے کاموں میں استقلال نہیں اس لئے اتحاد

و اتفاق میں بھی پائیداری نہیں

اتحاد مطلوب کے دو درجے ہیں ایک اس کا حدوث (یعنی اتحاد پیدا کرنا) دوسرے

اس کا بقاء (یعنی اتحاد کو باقی رکھنا) میں ان دونوں درجوں کے اسباب بیان کروں گا

کہ حدود اتحاد (یعنی اتحاد قائم کرنے) کی کیا بنیاد ہونی چاہئے، اور اتحاد باقی رہنے کا کیا طریقہ ہے، اور اتحاد باقی رہنے کے اسباب کی تحقیق زیادہ اہم ہے، اس لئے کہ آج کل ہم لوگوں میں اتحاد و اتفاق پیدا تو ہوتا ہے مگر باقی نہیں رہتا۔

بلکہ ایک اتحاد ہی کیا مجھے تو ایسی بدگمانی ہے کہ جب سنتا ہوں کہ مسلمانوں نے کوئی کام شروع کیا ہے تو سب سے پہلے یہ خیال ہوتا ہے کہ دیکھئے استقلال کے ساتھ چلے گا بھی یا نہیں، کیونکہ میں رات دن دیکھتا ہوں کہ نہ ہمارے کارخانے چلتے ہیں نہ انجمنیں نہ مدرسے، نہ اتحاد و اتفاق، ہاں ایک چیز ہمیشہ چلتی ہے وہ کیا؟ جوتا اور لٹھ یہ ایک بار جہاں چلا پھر عمر بھر چلتا رہتا ہے چاہے اس کی بنیاد کیسی ہی کمزور ہو مگر شاخیں مضبوط ہو جاتی ہیں، جیسے عرب میں جاہلیت کے زمانہ میں ایک گھوڑ دوڑ ہوتی تھی جس میں ایک فریق کا گھوڑا آگے نکل گیا تو اسی بات پر صدیوں لڑائی رہی، ہماری حالت آج کل اہل جاہلیت کی حالت کے مشابہ ہے کہ ذرا سی بات پر جہاں جوتا چلا پھر وہ برسوں تک چلتا رہتا ہے، باقی اتحاد و اتفاق اس کی عمر ہمارے یہاں بہت تھوڑی ہے گو لکچرار اتحاد قائم کرنے کی بہت کوشش کرتے رہتے ہیں اور اس پر تقریریں بھی بہت ہوتی ہیں مگر آج تک کسی نے اتحاد باقی رہنے کے اسباب نہیں بیان کئے اور نہ عدم بقاء کے اسباب (یعنی وہ اسباب جن سے اتحاد ختم ہو جاتا ہے ان اسباب) کو دور کیا، حالانکہ سب سے پہلے یہ مسئلہ قابل غور تھا اس لئے میں اس وقت اسی کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ (الاخوة ص ۱۰۰ ج ۱۳)

فائدہ: (اتحاد و اتفاق) اور باہمی محبت شرعاً مطلوب ہے، شریعت نے اس کی خاص طور پر تعلیم فرمائی ہے، اور اس کے مختلف طریقے بتلائے ہیں جن سے خاص محبت پیدا ہو۔ (وعظ ذم المکروہات لمحقة اصلاح اعمال ص: ۳۹۰)

سلام و مصافحہ کا اہتمام کرو اس سے محبت ہوتی ہے

## دل صاف ہو جاتا ہے

(حدیث پاک کا مفہوم ہے) باہم (یعنی آپس میں) سلام کیا کرو، اس سے محبت بڑھتی ہے، سلام میں جان پہچان والوں کی تخصیص مت کرو جو مسلمان مل جاوے اس کو سلام کرو، سوار کو چاہئے کہ پیادے کو سلام کرے، اور چلنے والا بیٹھنے والے کو اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کو اور کم عمر والا زیادہ عمر والے کو۔

جو شخص سلام میں پہل کرتا ہے اس کو زیادہ ثواب ملتا ہے، اور مصافحہ کرنے سے دل صاف ہو جاتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں (یہ حدیث پاک کا مفہوم ہے کمانی روایت الترمذی) محبت سے معانقہ کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں البتہ بشہوت حرام ہے، کسی بزرگ یا معزز آدمی کے آنے کے وقت تعظیماً کھڑے ہونے میں مضائقہ نہیں، مگر اس کے بیٹھنے سے بیٹھ جانا چاہئے۔

جب ملوکشاہ روئی سے (خندہ پیشانی سے یعنی پوری بشاشت اور خوشی) سے ملو بلکہ تبسم سے (یعنی مسکرا کر) ملنا مناسب ہے تاکہ وہ خوش ہو جائے۔

(تعلیم الدین اصلاحی نصاب ص ۲۸۱)

کسی کے پاس جاؤ، سلام یا کلام سے غرض کسی طرح سے اس کو اپنے آنے کی خبر کر دو، بغیر اطلاع کے (یعنی چھپ کر) آڑ میں ایسی جگہ مت بیٹھو کہ اس کو تمہارے آنے کی خبر نہ ہو۔

(آداب زندگی ص ۴۱)

## اتحاد و اتفاق کی تدبیریں اور اس کے مختلف اسباب

### ملاقات اور برتاؤ میں نرمی اختیار کرنا

اتحاد و اتفاق اچھی چیز (بلکہ بہت ضروری چیز) ہے اس کے حاصل کرنے کی تدبیریں کرنی چاہئے اور آپس میں میل و اتحاد پیدا ہونے کی کچھ تدبیریں ہیں (ان کو بیان کرتا ہوں ان شاء اللہ ان کے اختیار کرنے سے باہم اتحاد و اتفاق پیدا ہوگا)

ایک تو یہ کہ ایک دوسرے سے ملتے رہیں، اور باہم نرمی کا برتاؤ کریں (کیونکہ) نرم برتاؤ فی نفسہ بھی مامور بہ اور محمود ہے اور دونوں ہی (فریق) اس کے مخاطب ہیں، یہ سمجھ کر دونوں کو چاہئے کہ نرمی کا برتاؤ کریں (کیونکہ شریعت کا یہی حکم ہے) اور خلوص سے کام کریں، اگر ایک فریق نرم ہو جائے تو اس کا دوسرے پر بھی اثر ہوتا ہے اور وہ بھی نرم ہو جاتا ہے۔ ہر شخص خلوص سے کام کرے جس سے بھی جو کام دین کا ہو جائے اس کو غنیمت سمجھے، تزام (مقابلہ) کیوں کیا جاتا ہے۔ یہ صورت ہے اتحاد و اتفاق کی۔ (السوق لابن الشوق ص: ۲۳)

### آمدورفت کا اہتمام

بعض عمل میں خاصیت ہوتی ہے محبت پیدا کر دینے کی اور اس کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے محبت پیدا کرنے میں، چاہے تجربہ کر لو، روز روز کسی کے پاس جایا کر دو دیکھو محبت ہو جائے گی، پہلے تھوڑی ہوگی پھر جاتے جاتے ایسا تعلق ہو جائے گا کہ بہت ہی زیادہ، غرض یہ مسلم امر ہے کہ میل جول جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی زیادہ محبت ہوگی۔

(طریق القلند ص ۲)

## ہدیہ کا لین دین

حدیث میں تطیب قلب مؤمن (یعنی مؤمن کا جی خوش کرنے) کی جا بجا تاکید ہے، اور اسی لئے تَهَادَوْا تَحَابُّوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے آپس میں محبت پیدا ہوگی، اور اس سے محبت پیدا ہونے کا راز وہی ہے کہ ہدیہ سے تطیب قلب (یعنی جی خوش) ہوتا ہے جو محبت کی طرف مفضی ہو جاتا ہے۔ (ارضاء الحق ج: ۱، ملحقہ تسلیم و رضاض: ۶۵)

### برے برتاؤں کا بدلہ اچھے برتاؤ کے ساتھ

### بتکلف یہ تدبیریں اختیار کیجئے انشاء اللہ ضرور اثر ہوگا

اتحاد و اتفاق کی ان تدبیروں کو اگر بتکلف بھی اختیار کیا جائے تو بھی اثر ہوتا ہے قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ظاہری برتاؤ میں باطنی اخلاق کو دخل ہے کہ جیسے باطنی اخلاق ہوتے ہیں ویسا ہی برتاؤ اس سے ظاہر ہوتا ہے، ایسے ہی اس کا عکس بھی ہے کہ ظاہری برتاؤ کو بھی باطنی اخلاق کے پیدا ہوجانے میں دخل ہے، کہ جیسا برتاؤ بتکلف اختیار کیا جائے ویسے ہی اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ ارشاد ہے:

ادْفَعُ بِأَلَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ

وَلَّى حَمِيمٌ۔ (بیان القرآن) ۲۴

یعنی اگر کسی سے تکلیف پہنچی تو اس کی مکافات اچھے برتاؤ کے ساتھ

کہتے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کو آپ سے عداوت تھی وہ پکا دوست بن جائے گا۔ صدیق صداقت سے ہے جس کی معنی ہیں محبت، حُلت یعنی وہ دوستی جو قلب میں گھس گئی ہو، معلوم ہوا کہ نیک برتاؤ کا گووہ برتاؤ تکلف ہی سے ہو یہ اثر ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کے قلب میں سچی اور واقعی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ مذکورہ آیت سے یہ مسئلہ بدالائے النص ثابت ہو گیا کہ اگر یہ اتحاد کی تدبیریں (مثلاً سلام و مصافحہ، ملاقات، ہدیہ کا لین دین) دل سے نہیں اختیار کر سکتے تو بکنکف ہی اختیار کر لیں، (ضرور اتحاد پیدا ہوگا) غرض اتحاد اچھی چیز ہے اس کے حاصل کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے۔ (السوق لابن الشوق ص ۳۵)

### اتحاد وہی باقی رہے گا جس کی بنیاد ایمان پر قائم ہو

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ (یعنی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) اس میں حق تعالیٰ نے حکم اخوت (یعنی بھائی ہونے کے حکم) کو صفت مؤمن پر مرتب فرمایا ہے اور اصول کا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں کسی صفت پر حکم مرتب ہوتا ہے وہاں وہ وصف حکم کی علت ہوتا ہے، تو معلوم ہوا کہ ہم میں جو اخوت (اور بھائی چارگی) کا تعلق ہے اس کی علت ایمان ہے، اور وہی اخوت مطلوب ہے جس کی بنیاد ایمان پر ہو۔

صاحبو! آج کل جو اتحاد و اتفاق باقی نہیں رہتا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ایمان پر نہیں ہوتی بلکہ ہوائے نفس (یعنی نفسانی اغراض) اور معاصی پر ہوتی ہے اس لئے وہ بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔

اگر اتفاق کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو اس کی بنیاد ایمان پر قائم کرو، مگر آج کل تو

ایمان کو ایسی بے قدر چیز سمجھ رکھا ہے کہ اس کی کچھ وقعت ہی نہیں ہے، جس کام کی بنیاد ایمان پر رکھی جاتی ہے اس کے متعلق لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو مملو لوگوں کا کام ہے، چنانچہ آج کل زبانوں پر یہ بات بہت کثرت سے ہے کہ یہ وقت نماز روزہ کا نہیں ہے اتحاد کا وقت ہے، اور جب کوئی اللہ کا بندہ اعتراض کرتا ہے کہ اتحاد کی وجہ سے احکام شرعیہ کو فوت کرنا جائز نہیں ہے تو نہایت بے باکی سے جواب دیا جاتا ہے کہ یہ وقت جائز ناجائز کا نہیں ہے کام کا وقت ہے۔ (اخوة ص ۱۰۸، ۱۰۹، التبلیغ ج ۱۳)

### اتحاد و اتفاق وہی معتبر اور پائیدار ہوگا جو دینی حدود

### پر قائم ہو اور تقویٰ کی رعایت کے ساتھ ہو

اتحاد و اتفاق کی بنیاد ہمیشہ دین کی حدود پر قائم کرو، اور کسی (تجربہ کار) عالم سے مشورہ کر کے کام کرو، یہ اتحاد انشاء اللہ مضبوط ہوگا، اور یہ اتحاد اس وقت تک باقی رہے گا جب تک تقویٰ کی رعایت ہوگی، کیونکہ جب تقویٰ کی رعایت ہوگی تو خدا کا خوف ہوگا اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا خیال ہوگا، اور جب دوسروں کے حقوق ادا ہوتے رہیں گے تو پھر نا اتفاقی پیدا نہیں ہوگی۔ (شریعت و سیاست ص ۲۱ مطبوعہ پاکستان۔)

### کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ ہو

اسلام کی تعلیم ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ ہو، اور یہ محبوبیت اور باہم اتحاد و اتفاق کی جڑ ہے، چنانچہ ارشاد ہے اَلْمُسْلِمُ مِّنْ سَلَمِ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لَسَانِهِ وَيَدِهِ (مسلم شریف) مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے

رہیں یعنی کسی کو اس سے ضرر اور اذیت (یعنی کسی قسم کی کوئی تکلیف) نہ پہنچے، یہ تو کلیہ ہے پھر اس کی جزئیات کی علمی اور عملی طور سے ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ انتہا کو پہنچا دیا ہے۔ (آداب انسانیت)

## سونے والوں کی نیند بھی نہ خراب کرو

چنانچہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی مسلمان بھائی سوتا ہو اور تم کو اٹھنے اور کہیں جانے کی ضرورت ہو تو آہستہ سے اٹھو اور آہستہ سے جوتے پہنو، آہستہ سے کواڑ کھولو، اگر بات کرو تو آہستہ سے بات کرو، یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھلایا جیسے نسائی شریف میں حضرت عائشہؓ سے لیلۃ البراءة کے قصہ میں مذکور ہے۔ میں نے ایک کتاب آداب معاشرت لکھی ہے اس میں یہ دکھلایا ہے کہ دوسروں کو تکلیف نہ دینے کی شارح نے کتنی رعایت کی ہے۔

(آداب انسانیت)

## اتنے زور سے ذکر اور تلاوت نہ کرو

### جس سے لوگوں کی نیند خراب ہو

اتنے زور سے ذکر یا تلاوت کرنا جس سے دوسروں کی نیند خراب ہو ممنوع ہے، ایک صاحب جو پہلے کسی دوسرے شیخ سے بیعت تھے، ذکر جہری کرتے تھے، فجر سے پہلے تہجد کے وقت اٹھ جاتے اور اتنی زور سے ذکر کرتے کہ سارے محلہ والے پریشان تھے، سب کی نیند خراب ہوتی اور وہ اس کو بڑا کمال سمجھتے تھے، انہوں نے مجھ سے تعلق قائم کیا، میں نے ان کا ذکر بالکل موقوف کر دیا، سارے محلہ

والے مجھے بڑی دعائیں دیتے تھے کہ ان کے ذکر کی وجہ سے سونا دشوار تھا جب سے مجھ سے تعلق قائم ہوا سونا نصیب ہو گیا، شریعت کی پابندی اصل چیز ہے سونے کے وقت میں اتنی آواز سے ذکر و تلاوت کرنا جس سے دوسروں کی نیند خراب ہو فقہاء نے اس کو ناجائز لکھا ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت)

## اتحاد و اتفاق کے لئے اپنی معاشرت بھی درست رکھو

### پاکیزہ معاشرت کے بغیر کامل دیندار نہیں بن سکتے

آج کل جو دیندار کہلاتے ہیں وہ دینداری کو ان چند باتوں میں منحصر سمجھتے ہیں کہ لباس ٹخنہ سے اوپر ہو، ڈاڑھی بڑھالی، بس دیندار ہو گئے۔ باقی نہ اخلاق کو جزء دین سمجھتے ہیں نہ معاشرت کا دین سے تعلق سمجھتے ہیں، نہ معاملات ان کے شریعت کے موافق ہیں، کسی کو ستالیا، کسی کی غیبت کر لی، کسی کو حقیر سمجھ لیا، کسی کی آبروریزی کر لی اور پھر دیندار کے دیندار بنے ہیں ایسے دینداروں کو دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ بس دیندار ایسے ہی ہوتے ہیں اور شریعت کی یہی تعلیم ہے۔

صاحبو! یاد رکھو کہ دین صرف ظاہر ہی کے درست کرنے کا نام نہیں گونپاہر کی اصلاح کا بھی حکم دیا گیا ہے مگر صرف اس سے پورا دیندار نہیں ہوتا، پورا دیندار وہ ہے جو شریعت کے ہر حکم پر عمل کرے، ظاہر کے متعلق بھی اور باطن کے متعلق بھی۔

حسین اسکو کہیں گے جو سر سے پاؤں تک حسین ہو، اور اگر سب اعضاء خوبصورت ہوں اور آنکھیں پھوٹی ہوئی ہوں تو وہ حسین نہیں ہے، پس جس کے اندر ایک بات بھی دین کے خلاف ہو وہ کامل دیندار نہیں۔ (الاتفاق ص ۶۰ آداب انسانیت)

آج کل ہم لوگ معاشرت کے باب میں بہت غفلت کرتے ہیں، بعضی

باتیں بہت چھوٹی سی ہوتی ہیں لیکن نتیجہ اس کا بہت برا ہوتا ہے، دوسروں کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے، بعضے لوگ بڑے عہدوں پر (یادیندار) ہیں لیکن معاشرت کے بعض جزئیات کا ان کو خیال نہیں حالانکہ تمدن کے مدعی ہیں، اور معاشرت کے تمام آداب کا تعلق تمدن سے ہے، مثلاً ایک معمولی بات ہے کہ کرسی کہیں سے اٹھا کر دوسری جگہ جہاں راستہ ہے بچھائیں گے اور وہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے، اب کوئی اندھا اپنا جج آیا وہ گر پڑتا ہے، بعض لوگ چارپائی ایسی جگہ پر چھوڑ دیتے ہیں کہ آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ (عمل الذرة لمحقہ آداب انسانیت ص ۵۲۵)

## حسن معاشرت اختیار کرو باہم الفت و محبت پیدا ہوگی

محبت کا ایک سبب خوش معاملگی اور معاشرت کی خوبی (یعنی حسن معاشرت) ہے جو کمال کلی کے مفہوم میں داخل ہو سکتی ہے، شریعت نے اس کی یہاں تک تعلیم کی ہے کہ دور دور تک کے احتمالات تک پر نظر فرمائی ہے کہ کسی کے مال میں بلا اجازت تصرف نہ کرو، کسی کے خلوت خانہ (تہائی کی جگہ) میں بلا اجازت نہ جاؤ، اگر جاؤ تو اجازت لے کر جاؤ، اور اس کا طریقہ کیسا اچھا تعلیم فرمایا کہ دروازہ پر کھڑے ہو کر کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ اَدْخُلْ؟ یعنی آپ پر سلامتی ہو میں آؤں؟ تین بار کہنے پر اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے جاؤ دروازہ مت کھٹ کھاؤ، ممکن ہے کہ اس وقت ملنے سے کچھ عذر ہو، سوتا ہو یا جی نہ چاہتا ہو، اس کو معذور سمجھ کر واپس چلے آؤ، اور اگر اندر سے یہ کہہ دیا جائے کہ اس وقت واپس جاؤ تو واپس چلے آؤ، برامت مانو، چنانچہ ارشاد ہے هُوَ اَزْ سَلْمٍ لَكُمْ کہ یہ زیادہ صفائی کی بات ہے، شاہ عبدالقادر صاحب اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی اس میں ملاقات صاف رہتی ہے۔ (الاتفاق، آداب انسانیت ص ۴۵۴)

## معاملات میں آزادی و وسعت

ان تعلیمات میں سے (جس سے اتحاد باقی رہتا ہے) ایک حکم یہ ہے کہ بازار کا نرخ (بھاؤ) مقرر نہ کرو، ہر شخص جتنے میں چاہے اپنا مال فروخت کرے، سب کو آزاد رکھو، آج کل جو لوگ آزادی کے مدعی ہیں وہ بھی دکانداروں کو آزادی نہیں دیتے، بلکہ بازار کا نرخ (ریٹ) مقرر کر دیتے ہیں یا قلیوں اور ٹم (یعنی رکشے) والوں کا کرایہ متعین کر دیتے ہیں، اسلام میں اس کی ممانعت ہے کیونکہ اپنی چیز میں ہر شخص خود مختار ہے۔ (التبلیغ)

## حقوق کی ادائیگی

منجملہ ان کے ایک حکم یہ ہے کہ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ یعنی مالدار آدمی کا قرض خواہوں کو ٹالنا (یعنی قرض نہ ادا کرنا) ظلم ہے، شریعت میں اس کی ممانعت ہے کہ رقم پاس ہوتے ہوئے قرض خواہ کو ٹالا جائے، سبحان اللہ حقوق کی کتنی رعایت ہے، میں کہاں تک اسلام کی برکتیں بیان کروں، تم عمل کر کے دیکھو اسلام کی برکتیں تم کو خود نظر آجائیں گی۔ (یہ وہ سبب ہیں جن سے اتحاد و اتفاق باقی رہتا ہے) (اخوة التبلیغ ص ۱۲۹ ج ۱۳)

## دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر چپکے سے باتیں نہ کریں

شریعت نے اس باب میں یہاں تک رعایت کی ہے کہ ارشاد ہے: لا یتناجی اثنان دون الثالث (الحدیث) یعنی اگر تین آدمی بیٹھے ہوں تو دو آپس میں سرگوشی نہ کریں، اس لئے کہ اس کا دل دکھے گا کہ بس میں ہی غیر تھا،

مجھ سے چھپانا منظور تھا۔ کہاں ہیں تمدن کے مدعی، میں بقسم کہتا ہوں کہ شریعت نے تمدن کی اس قدر رعایت کی ہے کہ اتنی کوئی نہیں کر سکتا۔ (الاتفاق ص ۳۵۶)

## دباؤ ڈال کر سفارش کے ذریعہ بھی کسی کو تکلیف نہ دو

اور دیکھئے شریعت کی تعلیم ہے کہ سفارش سے بھی کسی کو تکلیف نہ دو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے حضرت مغیث کی سفارش کی، جو ان کے پہلے شوہر تھے اور انہوں نے خیار عتق کی بنا پر علیحدگی اختیار کر لی تھی، (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے) ان سے نکاح کرنے کے لئے فرمایا، وہ پوچھتی ہیں کہ آپ حکم فرماتے ہیں یا سفارش؟ آپ نے فرمایا سفارش! کہنے لگیں مجھ کو منظور نہیں آپ ناخوش نہیں ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ سفارش وہی ہے جس میں کسی پر زور نہ ڈالا جائے، تو (شریعت میں) اتنی تکلیف دینا بھی کسی کو گوارا نہیں کی گئی۔

## معاملات صاف رکھو دل صاف رہیں گے

اسی طرح دین کے اندر صفائی کا حکم ہے، دیکھئے اگر معاملات کو صاف رکھیں تو ممکن نہیں کہ دلوں میں فرق آئے، بہر حال شریعت کے جوا حکام معاملات و معاشرت اور اخلاق کے متعلق ہیں ان کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ ہو۔

حاصل کلام یہ کہ محبت کے جو اسباب ہیں نوال، جمال، کمال، شریعت نے ان کی تعلیم فرمائی ہے پس جو شخص شریعت پر عمل کرے گا جو کہ عَمَلُوا الصَّالِحَاتِ کا مدلول (ومصدق) ہے وہ یقیناً محبوب ہو جائیگا، اور اپنی قوم میں تو محبوب ہوگا غیر قوموں میں بھی اس کا اعتبار ہوگا۔ (الاتفاق، آداب انسانیت ص ۳۶۱)

ڈرانے، دبانے اور ہیبت ڈالنے سے محبت نہیں ہوتی

## بلکہ تواضع و نرمی اختیار کرنے سے محبت ہوتی ہے

صاحبو! کیا مسلمان ایسی چیز ہیں کہ ان کو ڈرایا جائے؟ مسلمان حق تعالیٰ کے محبوب ہیں ان کو ڈرانا چاہئے یا ان سے محبت رکھنی چاہئے؟ مسلمان تو ایسی چیز ہے کہ فرشتے تک اس کا ادب کرتے ہیں، اور اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ حق تعالیٰ کی نظر بھی اس پر رحمت کے ساتھ پڑتی ہے، پھر جس پر احکم الحاکمین اور مقررین کی نظر رحمت ہو اس کے متعلق یہ کون عقلمند تجویز کر سکتا ہے کہ اس کو ڈرایا جائے، ایک ادنیٰ کلکٹر کا چیر اسی جو کلکٹر صاحب کا کسی قدر منہ لگا ہو اس کو تو کوئی ڈرا ہی نہیں سکتا، بلکہ سب اس کے نخرے اٹھاتے ہیں بلکہ اس کی جابجا حرکتوں کو سہتے ہیں، پھر جو شخص احکم الحاکمین کا مقرب ہو اس کے ساتھ کیا برتاؤ رکھنا چاہئے، لطف یہ ہے کہ آجکل ہمدردی کا سبق بھی ہر شخص کی زبان پر ہے، کیوں صاحب کسی سے ہمدردی ڈرانے میں ہو سکتی ہے یا اس سے محبت کرنے میں؟ اگر ہمدردی کرنا چاہتے ہو تو باہم تعلقات ایسے رکھنے چاہئیں جس سے محبت پیدا ہو، اور یہ دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ دوسرے کو دبانے اور ڈرانے سے محبت نہیں ہوتی بلکہ خود دب جانے اور ڈر جانے سے محبت پیدا ہوتی ہے، باہمی محبت اگر واقعی ہو تو عجیب چیز ہے، شریعت نے اس کی بڑی قدر کی ہے اور اس کو ضروریات میں سمجھا ہے اور ہر بات میں اس کا خیال رکھا ہے کہ محبت قائم رہے، جس حکم شرعی کو اٹھا کر دیکھئے اس میں اس کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مخالفت نہ پیدا ہو، چنانچہ معاملات میں عام اصول (مقرر) کر دیا ہے کہ جو شرط مفضی الی النزاع (یعنی معاملات میں جو شرط جھگڑے کی طرف پہنچانے

والی) ہو وہ جائز نہیں اور مفسد عقد ہے، بتائیے کسی قانون نے الفت و محبت کا اس قدر خیال رکھا ہے؟۔

(وعظ ذمّ المکروہات ملحقہ اصلاح اعمال ص: ۲۲۵)

## سادہ معاشرت اور سادہ زندگی سے محبت ہوتی ہے

صاحبو! محبت سادہ ہی زندگی میں ہو سکتی ہے، میرے ذوق سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ برتاؤ (یعنی لوگوں سے خود مصافحہ کرنے لگے تاکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مصافحہ کی تکلیف نہ ہو، یہ برتاؤ) رفع تکلیف کے لئے کیا تھا تاکہ اول وقت سے ہی لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت سے واقف ہو جائیں، اور آجکل یہ خیال ہے کہ جب تک بناوٹ نہ کی جائے ہیبت اور رعب نہیں ہوتا، اسی واسطے ڈراونی شکلیں بناتے ہیں، کپڑے اس طرح کے پہنتے ہیں جن سے پتلا د بلا آدمی بھی بہت بڑا معلوم ہو، چلتے اس طرح ہیں کہ دور تک کھٹ کھٹ آواز جائے، بولنے میں لہجہ ایسا اختیار کرتے ہیں کہ سننے والا ہیبت میں آجائے مگر کیا ہے، ہیبت تو خداداد ہوتی ہے، دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت یہ تھی جس میں ہر طرح سے عبودیت اور تواضع کا خیال رکھا جاتا تھا، اٹھنے میں، بیٹھنے میں، کھانے میں، چلنے میں، بولنے میں، چالنے میں، کوشش کی جاتی تھی کہ ذرا بھی بڑے بننے کا اور امتیاز کا شائبہ نہ آنے پائے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَسْكِيْنَا وَاَمْتِنِيْ مَسْكِيْنَا وَاَحْشُرْنِيْ فِيْ رُمُوْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ یعنی اے اللہ مجھ کو زندگی میں مسکین رکھنا اور موت بھی مسکینوں میں دینا اور قیامت میں بھی مسکینوں میں اٹھانا، جس شخص کی یہ حالت ہو اس کا تو رعب

بالکل ہی نہ ہونا چاہئے لیکن دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب کی حالت کیا تھی، کسی بادشاہ کے دو قاصد مدینہ آئے تھے کہ بادشاہوں کے قاصد بادشاہوں کی معاشرت دیکھے ہوئے اور بڑے بڑے لشکر اور فوجوں کے دیکھنے والے تھے، بڑے بڑے سلاطین کے یہاں جاتے تھے، یہاں نہ دربار تھا نہ فوج تھی نہ کوئی سامان رعب کا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع قطع بالکل غریبوں کی سی تھی، لوگوں میں بیٹھے ہوتے تو پہچانے بھی نہ جاتے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے تو راوی کا بیان ہے کہ مارے ہیبت کے ان کے بازو کا پنتے تھے ترعد فرائصہما کا لفظ آیا ہے یعنی ان کے بازوؤں کی رگیں ایسی کانپتی تھی جیسے کسی کو جاڑا چڑھا ہو، اور وہ بات نہ کر سکتے تھے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سے رعب کم کرنے کے لئے فرمایا میں تو ایک ایسی غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی، آج کل کا کوئی فلسفی بتلائے کہ یہ رعب کس چیز کا تھا؟ اور جب اپنی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ ایسا رعب تھا پھر اس کہنے کے کیا معنی کہ بلا بناوٹ کے رعب نہیں ہو سکتا۔

(وعظ ذمّ المکروہات ملحقہ اصلاح اعمال ص: ۲۳۸)

## باب ۴

اختلاف اور نا اتفاقی کے اسباب جن سے بچنا ضروری ہے  
حکایت و شکایت پر یقین کرنے سے پہلے تحقیق کی ضرورت

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم • بسم اللہ الرحمن الرحیم  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا  
بِجَهَالَةٍ فَتُصِيبُوا عَالِيًا مَّافَعَلْتُمْ نَدِمِينَ • (پ ۲۶ حجرات)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو بنی مطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا، ولید میں اور ان میں زمانہ جاہلیت میں کچھ عداوت تھی، ولید کو وہاں جاتے ہوئے اندیشہ ہوا، ان لوگوں نے سن کر استقبال کیا، ولید کو گمان ہوا کہ یہ لوگ قتل کے ارادہ سے آئے ہیں واپس جا کر اپنے خیال کے موافق کہہ دیا کہ وہ تو مخالف اسلام ہو گئے۔ آپ نے حضرت خالد کو تحقیق حال کیلئے بھیجا اور فرمایا کہ خوب تحقیق کرنا اور جلدی مت کرنا چنانچہ انہوں نے وہاں (جا کر) بجز اطاعت اور خیر کے کچھ نہ دیکھا (واپس) آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطمئن کر دیا اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

**ترجمہ و تفسیر:** اے ایمان والو! جس طرح ولید بن عقبہ کی خبر پر باوجودیکہ ولید محکوم علیہ بالفسق نہیں (یعنی ان پر فسق کا حکم نہیں لگایا گیا اس کے باوجود) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرنے میں جلدی نہیں کی بلکہ اس کی

تحقیق فرمائی جس سے ایک حکم شرعی ثابت ہو گیا کہ بغیر تحقیق کے ایسی خبر پر عمل نہیں کرنا چاہئے اور جب غیر فاسق کے بارے میں یہ حکم ہے تو فاسق کے باب میں تو بدرجہ اولیٰ (یہ حکم ہوگا کہ بغیر تحقیق کے محض سنی ہوئی بات پر یقین نہ کیا جائے) اس لئے ہم تم کو اہتمام کے لئے مکرر حکم دیتے ہیں کہ (اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے جس میں کسی کی شکایت ہو) تو (بغیر تحقیق کے اس پر عمل مت کیا کرو، بلکہ اگر عمل کرنا ہو تو) خوب تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

(بیان القرآن سورہ حجرات پ ۲۶)

## باہم اختلاف کیسے ہوتا ہے؟

### بلا تحقیق کے بات کہنے یا یقین کر لینے کا نقصان

اگر آپ کو تحقیق کی فرصت یا لیاقت نہیں تو آپ سے دخل دینے کو کس نے کہا ہے؟ اپنے گھر بیٹھے اور تحقیق سے پہلے کسی کو برانہ کہئے۔

(جب کسی سے دشمنی ہو جاتی ہے تو) دشمنی میں غیبت کا بازار گرم ہوتا ہے، پھر یہ بیچ کے پھلنچو راس آتش حمام کو دوسرے کے پاس لے جاتے ہیں، اور ان باتوں کو مع حاشیہ کے اس کے سامنے نقل کرتے ہیں جو کہ بالکل غیر واقعی ہوتی ہیں، اب تو متن کے لئے حاشیہ ضروری ہی ہو گیا ہے، اور ان حواشی (یعنی بڑھا چڑھا کر، نمک مرچ لگا کر کہی ہوئی بات) کے غیر واقعی ہونے کا مجھ کو اتنا تجربہ ہو چکا ہے کہ میں نے جب بھی کسی واقعہ کی تحقیق کی ہے تو بات اتنی نہیں نکلتی جتنی کہی گئی تھی، پھر باوجودیکہ ہر تجربہ کار کا اس پر اتفاق ہے کہ نقل کرنے والے حاشیہ

چڑھا کر بات کو نقل کرتے ہیں مگر پھر بھی سنی سنائی باتوں پر اعتماد کر لیا جاتا ہے، اور اسکی تحقیق کوئی نہیں کرتا، بلکہ بعض لوگ تو تحقیق سے روکتے ہیں، تاکہ یہ بات کہیں جھوٹی نہ ثابت ہو جائے پھر سارا مزہ ہی جاتا رہے گا۔

(الانسداد للفساد، آداب انسانیت ص ۴۰۴)

## اگر دوسرے کی شکایت صحیح اور غلطی واقعی ثابت ہے تب بھی اس کے نقل کرنے میں ہم خطرے میں ہیں

جب کسی کی شکایت سنو تو یہ سوچو کہ بیان کرنے والے نے ایک بات میں دس باتیں غلط ملائی ہوں گی، اگر ہم نے وہ بات اپنی آنکھ سے دیکھی ہوتی تو اگر تدارک کرتے (اور بدلہ لیتے) تو ایک برائی کا بدلہ ایک کرتے، اور اب دس برائی کریں گے تو کیا انجام ہوگا۔

یہ تو ایسا ہوا کہ جیسے ہمارا کوئی ایک پیسے کا نقصان کرے اور ہم اس کے بدلہ میں دس پیسے کا نقصان کر دیں، جب یہ مقدمہ حاکم کے پاس جائے گا تو گویا دتی پہلے اس کی تھی مگر اب ہم ملزم ہو گئے، مثلاً کسی کی شکایت سنی کہ اس نے ہماری غیبت کی ہے اور اس سے تم نے یہ بدلہ لیا کہ تم نے بھی غیبت کر لی تو یہ بدلہ ہو گیا، اور مان لیا جائے کہ بالکل برابر برابر کا بدلہ ہے یعنی کمیت میں برابر ہے کہ ایک غیبت اس نے کی ایک تم نے کر لی، مگر اس کا کیا اطمینان ہے کہ یہ تمہارا بدلہ کیفیت میں بڑھا ہوا نہیں ہے، یا آئندہ نہ بڑھ جائے گا، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی کی طرف سے برائی دل میں بیٹھ جاتی ہے تو انسان اس سے صرف زیادتی کے بدلہ ہی پر اکتفا نہیں کرتا اور بدلہ لے کر اس کی برائی دل سے نہیں نکل جاتی بلکہ کینہ رہ

جاتا ہے یا حسد پیدا ہو جاتا ہے، اور کینہ اور حسد غیبت سے کیفیت میں بہت زیادہ برا ہے، حسد کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ حسد نیکیوں کو ایسا کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھاتی ہے۔ تو یہ برائی جو تمہارے دل میں اس غیبت کے مقابلہ میں پیدا ہوئی کیفیت میں بدرجہا زیادہ ہے جو تمہاری اور نیکیوں کو بھی غارت کرے گی، یہاں قوت واہمہ سے کام لو، اور نفس کے خلاف سوچو کہ اگر ہم اس ایک غیبت کے بدلہ میں ان برائیوں میں پڑ گئے تو کیسے برے نتیجے ہوں گے۔ یہ خیال کر کے ذرا ڈرو۔ (اور اپنی اصلاح کرو)

(وعظ غوائل الغضب لمحققہ حقوق الزوجین ص ۲۲۲)

## بغیر تحقیق کے محض سنی سنائی بات کی بنا پر کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں

www.alislahonline.com

ایک عام گناہ جس میں بکثرت ابتلاء ہے یہ ہے کہ بے تحقیق کوئی بات سن کر کسی کی طرف منسوب کر دی یا بدگمانی پکالی، تحقیق کا مادہ ہی آج کل نہ رہا، بس کسی سے کچھ سن لیا اور اٹکل پچو گھوڑے دوڑا لیے، قرآن وحدیث میں اس کی سخت ممانعت ہے اور بہت تاکید کے ساتھ تحقیق کا حکم ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ“ یعنی جس بات کی پوری تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو، ایک آیت میں ارشاد ہے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا“ یعنی اگر کوئی فاسق فاجر کوئی خبر لائے تو اسکی تحقیق کر لیا کرو۔

حدیث میں ہے اَيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ یعنی

بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بھی بڑا جھوٹ ہے، مگر آجکل بدگمانی کو گناہ نہیں سمجھا جاتا، پھر بدگمانی بھی کسی بڑی وجہ سے نہیں کی جاتی ذرا سا اشارہ سن لیا اور طومار باندھ دیا یاد رکھو یہ بہت سخت گناہ ہے۔ ان باتوں سے احتیاط کرو ورنہ سارا تقویٰ و طہارت دھرا رہ جائے گا۔

(وعظ رجاء اللقاء لمحققہ موت و حیات ص ۵۷)

## علماء و مشائخ سے شکایت

افسوس یہ ہے کہ اس مرض میں علماء اور مشائخ تک بھی مبتلا ہیں جہاں ان کے مقررین میں سے کسی نے کسی کے متعلق کوئی بات کہہ دی اس پر ایمان لے آئے، ذرا بھی تحقیق نہیں کرتے کہ اس کی اصل بھی کچھ ہے یا نہیں۔ آج کل مشائخ کو اپنے خاص معتقدین اور مقررین پر بہت ہی اعتماد ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جس کو چاہتے ہیں مشائخ کی نظر سے گرا دیتے ہیں، گویا کسی کو مقبول و مردود کر دینا بالکل ان کے اختیار میں ہوتا ہے، حالانکہ اگر محدثین اور فقہاء کے اصول پر جانچا جائے تو میں سچ کہتا ہوں کہ خود مشائخ میں بھی ایسے کم نکلیں گے جن کو محدثین ثقہ کہہ سکیں، ان کے مقررین اور معتقدین تو کس شمار میں ہیں، جن محدثین نے بڑے بڑے زاہد اور عابد لوگوں کو یہ کہہ دیا کہ حدیث بیان کرنے میں ضعیف ہیں اگرچہ زاہد اور عابد بہت بڑے ہیں، وہ آج کل کے زاہدوں کو کب ثقہ مان سکتے ہیں۔

(وعظ رجاء اللقاء لمحققہ موت و حیات ص ۵۷)

## اہل مدارس اور علماء و مشائخ کے لئے ضروری ہدایت سنی ہوئی بات پر یقین کرنے کا شرعی دستور العمل

علماء اور مشائخ کو چاہئے کہ روایات میں بالکل محدثین کے قواعد برتا کر جس جو شخص پوری بات بیان نہ کرتا ہو، یا ہر بات کو سند سے بیان نہ کر سکتا ہو اسکی بات کا کبھی اعتبار نہ کریں۔

جب کوئی شخص کسی کے متعلق کوئی بات کہے اس سے فوراً پوچھیں کہ تم نے خود اس کا مشاہدہ کیا یا کسی سے سنا؟ اگر وہ اپنا مشاہدہ بیان کرے تو اس پر اس سے گواہوں کا مطالبہ کیا جائے اگر گواہ نہ لاسکے تو اس کو دھمکادیں یا اور کوئی سزا دیں اور یہ کہہ دیں کہ آئندہ کوئی بات ثبوت شرعی کے بغیر ہمارے سامنے بیان نہ کرو، اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے کسی سے سنا ہے تو اس کا نام دریافت کیا جائے کہ کس سے سنا ہے، کب سنا ہے، کس طرح سنا ہے اس کے کیا الفاظ تھے پوری بات بیان کرو، اپنی طرف سے کم زیادہ نہ کرو، اس کے بعد اس دوسرے شخص کے حال کی تفتیش کرو کہ وہ نیک ہے یا فاسق اور اس نے خود بھی مشاہدہ کیا ہے یا کسی سے سنا ہے۔

اسی طرح اگر مقررین کی روایات میں تفتیش کی جایا کرے تو اس وقت معلوم ہو کہ یہ مقررین ہیں یا مکررین یعنی مکر کی تاک میں لگے رہنے والے غرض، بے تحقیق بات پر کبھی کان نہ لگانا چاہئے، نہ بلاوجہ کسی سے بدگمان ہونا چاہئے۔

طلبہ اور ذاکرین میں قصداً جھوٹ بولنے کا مرض (عام طور پر) تو نہیں مگر قیاس دوڑانے کا بہت مرض ہے کہ میں نے تو یہ سمجھا تھا، اس لئے کسی کی بات پر بلا تفتیش (و تحقیق) کے اعتماد نہ کرنا چاہئے۔ (وعظ رجاء اللقاء لمحققہ موت و حیات ص ۵۸)

## حسن ظن کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں

### سوء ظن کے لئے شرعی دلیل کا ہونا ضروری ہے

فرمایا: میں نے خاص یہ صفت یعنی شکایت سے متاثر نہ ہونا دو بزرگوں میں ایک خاص شان کی دیکھی ہے، یوں تو سب ہی بزرگوں میں اچھی صفات ہوتی ہیں مگر پھر بھی تفاوت ضرور ہوتا ہے، ایک حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور ایک حضرت حاجی صاحب<sup>۱</sup> میں، سو حضرت مولانا قاسم صاحب تو شکایت سنتے ہی نہ تھے (جب کوئی حکایت یا شکایت کرتا تو) فرمادیتے کہ میں سننا نہیں چاہتا، اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمادیتے کہ سب جھوٹ ہے، وہ شخص ایسا نہیں، حضرت حاجی صاحب کی اس عادت کی دلیل قرآن میں ہے، وہ یہ کہ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی تھی حق تعالیٰ اس کے متعلق فرماتے ہیں ”لَوْلَا جَاؤْا عَلَیْہِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاذْلَمَ یَاتُوا بِالشُّہَدَاءِ فَاُولٰئِکَ عِنْدَ اللّٰہِ هُمُ الْکٰذِبُوْنَ“۔ (پ ۱۸ سورہ نور)

ترجمہ: یہ لوگ اپنے قول پر چار گواہ کیوں نہ لائے سو جس صورت میں قاعدہ کے موافق گواہ نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔ (بیان القرآن) اور عند اللہ سے مراد ہے فی دین اللہ فی قانون اللہ (یعنی اللہ کے دین میں اللہ کے قانون میں) اور آگے ارشاد ہے وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ قُلْتُمْ مَا یَکُوْنُ لَنَا اَنْ نَّتَّکَلَمَ بِہَذَا سُبْحٰنَکَ ہٰذَا بُہْتٰنٌ عَظِیْمٌ۔ (پ ۱۸ سورہ نور)

ترجمہ: اور تم نے جب اس بات کو پہلے سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے بھی نکالیں معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حسن ظن کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں اور سوء ظن کی دلیل نہ ہونا یہی کافی دلیل ہے حسن ظن کی۔

پس حضرت حاجی صاحب پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ بلا دلیل شاکہ (یعنی شکایت کرنے والے) کو کیسے کاذب فرمادیا، البتہ باوجود غلط سمجھنے کے اگر کسی دوسری بنا پر عمل کیا جائے تو دوسری بات ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص<sup>۲</sup> کے متعلق شکایت کو جھوٹ سمجھا مگر انتظامی مصلحت کی بنا پر ان کو معزول کر دیا۔ (الافاضات ایومیہ ص ۱۳۵ ج ۲ ملفوظ ۲۳۶)

## دوسروں کی شکایت سے اثر نہ لینے کے متعلق

### حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی حکایت

ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ حضرت کو ایک شخص نے پرچہ لکھ کر دیا اس میں یہ مضمون تھا کہ آپ کا فلاں مرید ایسے ایسے کام کرتا ہے اس کو منع کر دیجئے ورنہ اندیشہ ہے کہ لوگ حضرت سے بداعتقاد ہو جائیں گے، حضرت نے فرمایا کہ بھائی دوسروں پر کیوں رکھتے ہو اگر تمہارا حاجی بداعتقاد ہونے کو چاہتا ہے تو تم بداعتقاد ہو جاؤ، اور مجھے تم لوگوں کی بداعتقادی سے کیا ڈراتے ہو میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ مخلوق مجھے چھوڑ دے، اور مردود سمجھ کر مجھ سے سب الگ ہو جائیں بس میں ہوں اور میرا خدا، مجھے تو تم لوگوں کے اعتقاد نے پریشان کر دیا ہے کہ مجھے اپنے خدا کو یاد کرنے کا بھی یکسوئی کے ساتھ وقت نہیں ملتا۔

۱ (یہ حضرت حاجی صاحب کا ایک حال تھا ورنہ ایسی تمنا کرنا کہ لوگ مجھے مردود سمجھ کر چھوڑ دیں پسندیدہ نہیں، لوگوں کی محبت و عظمت بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی دعائه: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا (مرتب)

اگر کسی کا یہ مزاج ہو جائے تو اس کو منصب اور امامت و شہرت سے خود ہی نفرت ہو جائے گی، اور اگر یہ مزاج نہ ہو اور شہرت کی ہوس ہی ہو تو اس کی تحصیل کا بھی وہ طریقہ نہیں جو رسمی علماء نے آج کل اختیار کیا ہے بلکہ اس کا طریقہ بھی اپنے کو فنا کرنا اور مٹانا ہی ہے، اپنے کو جتنا مٹاؤ گے اتنا ہی مشہور ہو گے۔ گو اس نیت سے فنا کا اختیار کرنا مذموم ہے مگر اس پر شہرت کا ترتب ضرور ہو جائے گا جو تمہارا مقصود ہے، نیز اہل اسلام تمہاری پارٹی بندیوں کے ضرر سے محفوظ رہیں گے۔

(الفاظ القرآن ص ۱۲۳، ۱۲۴ المحققہ التبلیغ ج ۱۸)

## دوسروں کی حکایت و شکایت کا میں کبھی اثر نہیں لیتا

فرمایا: مجھے جو کسی سے شکایت پیدا ہوتی ہے وہ اپنی تحقیق سے ہوتی ہے کسی کے اثر سے نہیں ہوتی، بعض لوگ احباب میں سے دوسروں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے اس معاملہ میں یہ فاسد غرض ہے مگر الحمد للہ میں کبھی اس سے اثر نہیں لیتا، حسن ظن اس قدر عطا ہوا ہے کہ روایت (شکایت) سے بھی سوء ظن ہوتا ہی نہیں۔ یہ بھی میرا ایک معمول ہے۔ (الافاضات ایومیہ ص ۲۱۷ ج ۲ قسط ۲ ملفوظ ۲۱۴)

فرمایا: اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہاں پر کوئی روایت کسی شخص کی کوئی نہیں پہنچا سکتا، ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ یہ بات تو یہاں پر خاص ہے ورنہ قریب قریب اکثر بزرگوں کے یہاں حکایت و شکایت کا سلسلہ کم و بیش رہتا ہے، فرمایا: جی ہاں! بجز اللہ میں ان باتوں کا خیال رکھتا ہوں، عرض کیا حضرت سنتے ہی نہیں، نیز حضرت کے اصول اور قواعد اس قسم کے ہیں کہ ان کے خلاف کوئی ہمت ہی نہیں کر سکتا، اگر ضوابط میں ذرا ڈھیل دی جاتی تو یہاں پر بھی یہ سلسلہ جاری ہو جاتا، فرمایا کہ ڈھیل کے متعلق ایک واقعہ سنئے!

## شکایت سے بغیر تحقیق کے اثر نہ لینے کے متعلق

### حضرت تھانویؒ کی ایک حکایت

حاجی عبدالرحیم صاحب بھائی مرحوم کے ملازم تھے ان کے متعلق میرے بڑے گھر میں سے ایک معاملہ میں مجھ سے شکایت کی، میں نے فوراً آدمی بھیج کر حاجی جی کو بلایا اور دروازہ میں کھڑا کر کے کہا کہ تمہارے متعلق یہ روایت بیان کرتی ہیں، حاجی جی نے کہا غلط شکایت ہے اس پر میں نے گھر میں کہا کہ یہ انکار کرتے ہیں اور تم نے دعویٰ کیا ہے لہذا ثبوت دو، ثبوت تمہارے ذمہ ہے، ثبوت ندارد، کہنے لگیں کہ توبہ توبہ تم تو ذرا سی دیر میں آدمی کو نصیحت (رسوا) کر دیتے ہو، میں نے کہا کہ میں نصیحت نہیں کرتا، نصیحت کرتا ہوں، روایت کا یہ سلسلہ اچھا نہیں معلوم ہوتا، اس سے دل میں عداوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ (الافاضات ایومیہ ص ۱۵۹ ج ۱)

فرمایا: آج کل عدل کا نام و نشان نہیں رہا، اس کو تو دین کی فہرست سے خارج ہی سمجھ رکھا ہے، الحمد للہ میں ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں، بھائی مرحوم کے یہاں حاجی عبدالرحیم صاحب ملازم تھے بڑے گھر میں سے مجھ سے ان کی کچھ شکایت کی میں نے ان کو بلا کر پوچھا انہوں نے نفی کی (یعنی انکار کیا) میں نے گھر میں سے کہا کہ شرعی ثبوت لاؤ وہ تو انکار کرتے ہیں، وہ ثبوت نہیں پیش کر سکیں تب میں نے کہا کہ ثبوت شرعی کے بغیر کسی پر الزام نہیں لگانا چاہئے۔ انہوں نے توبہ کی، ایسے موقعوں پر بڑی مشکل ہوتی ہے جہاں دونوں طرف تعلق ہو مگر شریعت کے اصول پر عمل کرنے کی صورت میں کچھ بھی مشکل یاد شوری نہیں ہوتی، اور گودو شخصوں سے جو تعلق ہوتا ہے اس میں فرق ضرور ہوتا ہے مگر عدل کے وقت دونوں میں مساوات ہونا چاہئے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۱۳۵ ج ۲)

## تمام مردوں کو اہم نصیحت

بعض عورتوں کا فساد شدید بھی ہو جاتا ہے (وہ اس طرح کہ) بعض دفعہ یہ اپنے آپس کے تکرار (جھگڑے) کو مردوں سے بیان کر دیتی ہیں کہ فلانی نے مجھے یوں کہا اور تمہیں یہ کہا، مردوں میں حرارت ہوتی ہے، ان پر زیادہ اثر ہوتا ہے، پھر یہ بات ہی تک نہیں رہتے بلکہ ہاتھ سے بھی بدلہ لیتے ہیں جس سے خون (قتل) تک ہو جاتے ہیں اس لئے مردوں کو چاہئے کہ عورتوں کی باتوں پر اعتماد نہ کریں، اور عورتوں کو بھی لازم ہے کہ ایسی باتیں مردوں سے نہ کہا کریں، اس کی ایک عمدہ تدبیر یہ ہے کہ چند خاندان ایک گھر میں اکٹھے نہ رہا کریں کیونکہ چند عورتوں کا ایک مکان میں رہنا ہی زیادہ فساد کا سبب ہے۔

(الانسداد للفساد و ملحقہ آداب انسانیت ص ۲۰۸) www.alislahonline.com

## اختلاف اور لڑائی کی بنیاد عموماً بدگمانی اور وہم پرستی پر ہوتی ہے

غور کر کے دیکھا جائے تو (باہم اختلاف اور) لڑائیوں کی بنیاد صرف اوہام پرستی ہے کسی کے بارے میں ذرا سا شائبہ ہو اور اس پر حکم لگا کر لڑائی شروع کر دی، دوسرے نے جب کوئی لڑائی دیکھی تو شبہ کی اور زیادہ گنجائش ہے، ادھر سے سیر بھر لڑائی تھی ادھر سے پانچ سیر بھر ہونا کچھ بات ہی نہیں، اور جب اصل بات کی تحقیق کی جائے تو بات کیا نکلتی ہے کہ فلاں نے کہا تھا کہ وہ تمہاری شکایت کر رہا تھا (اور تمہارے متعلق اس طرح کی بات کر رہا تھا) سننے والا کہتا ہے کہ نقل کرنے والا بہت معتمد ایما ندارد ہے، بے سنے اس نے کبھی نہ کہا ہوگا۔

عموماً لڑائی ایسی ہی باتوں پر ہوتی ہے کسی خدا کے بندے کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ جب شکایت سنے تو اس بیچ کے واسطے کو قطع کر کے خود اس شکایت کرنے والے سے پوچھ لیں کہ تم نے میری شکایت کی ہے (اور میرے متعلق یہ بات کہی ہے؟)۔

جس کی طرف سے بدگمانی اور شکایت ہو اس کے

## ساتھ کیا کرنا چاہئے، مسنون طریقہ

مسنون طریقہ بھی یہی ہے کہ اگر کسی سے کوئی شکایت دل میں ہو اس شخص سے ظاہر کر دے کہ تمہاری طرف سے میرے دل میں یہ شکایت ہے اس شخص سے اس کا جواب مل جائے گا، اور اگر وہ شکایت غلط تھی تو بالکل دفعیہ ہو جائے گا، اور سنی سنائی باتوں پر اعتبار کر لینا اور اس پر کوئی حکم لگا دینا بالکل نصوص (قرآن و حدیث) کے خلاف اور جہالت ہے اسی موقع کے لئے قرآن شریف میں موجود ہے

”اجْتَبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ“ (حجرات پ ۲۶)

(ترجمہ) یعنی بدگمانیوں سے بچو بیشک بہت سی بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں، اور ارشاد ہے ”إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ“ بدگمانی سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے، ہم نے تو تجربہ سے تمام عمر دیکھا کہ سنی ہوئی بات شاید کبھی سچ نکلتی ہو۔ ایک شخص کا قول ہے کہ ایسے واقعات کی روایتیں کہ جن سے راوی (نقل کرنے والے) کا کچھ ذاتی تعلق بھی نہ ہو، اور راوی بھی ایسا ہو کہ جھوٹ کا عادی نہ ہو تب بھی جب کبھی دیکھا گیا اور تحقیق کی گئی تو تمام باتوں میں چوتھائی بات بھی سچ نہیں نکلی، اور ان باتوں کی روایت کا تو پوچھنا

ہی کیا جن میں راوی کی ذاتی غرض بھی شامل ہو۔ عموماً بدگمانیاں اور لڑائیاں ان ہی روایتوں کی بنا پر ہوتی ہیں کہ اصلیت کچھ بھی نہیں ہوتی، کچھ حاشیے اس پر روایت کرنے والے لگاتے ہیں کہ اس سے یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ فلاں ہمارا مخالف ہے، بس اس خیال وہ ہم سے لڑائی ٹھن جاتی ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے جنگل میں رات کے وقت آدمی اکیلا ہو اور اسکو شیر کا خوف ہو تو جب وہ ایک طرف کودھیان جماتا ہے تو کوئی درخت اسے شیر معلوم ہونے لگتا ہے، پھر جب خیال کو ترقی ہوتی ہے تو اسی خیالی صورت میں ہاتھ پیر بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ اور سچ مچ کا شیر معلوم ہونے لگتا ہے حالانکہ واقع میں کچھ بھی نہیں ہوتا صرف وہم کی کارگذاری ہوتی ہے، اسی طرح نفس سنی سنائی باتوں میں اختراع کرتا ہے اور خواہ مخواہ کی شکایت ہو جاتی ہے۔

(غوائل الغضب، حقوق الزوجین ص ۲۲۲) www.alislahonline.com

## بدگمانی حرام اور باہمی اختلاف کا ذریعہ ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا  
كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ  
الظَّنِّ إِثْمٌ  
(سورہ حجرات پ ۲۶)

اے ایمان والو! بہت سے  
گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعض  
گمان گناہ ہوتے ہیں اور تجسس  
یعنی سراغ مت لگایا کرو، اور کوئی  
کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بدگمانی سے اپنے کو بچاؤ، بیشک  
بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹ ہے (روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے)

آج کل نا اتفاقی (اور باہم اختلاف) اور پریشانی کے مجملہ اسباب میں سے ایک بڑا سبب بدگمانی ہے کہ قرآن ضعیفہ و مجملہ (یعنی محض معمولی قرآن و انداز اور احتمال کی بنا پر) یا جھوٹی خبروں کی بنا پر دوسرے مسلمان بھائی سے بدگمانی کر بیٹھتے ہیں اس کے بعد معمولی قرآن کی تائید و تقویت کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ بدگمانی درجہ یقین تک پہنچ جاتی ہے۔ (فروع الایمان ملحقہ اصلاحی نصاب ص: ۳۷۳)

## بدگمانی کے نقصانات

بدگمانی سے یہ آفتیں پیدا ہوتی ہیں، دوسرے کو حقیر سمجھنا، اس سے بغض و عداوت کرنا، اس کے افعال حسنہ (یعنی اچھے افعال) کو کسی نفسانی غرض پر محمول کرنا، اس کی غیبت کرنا، اس کے نقصان اور ذلت پر خوش ہونا، اور طرح طرح کی خرابیاں اس پر مرتب ہوتی ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ قوی قرآن کے ہوتے ہوئے بھی حتی الامکان بدگمانی نہ کریں بلکہ کچھ تاویل کر کے اس کو اپنے دل سے رفع کریں، اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتے دیکھ کر ٹوکا اس نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں چوری نہیں کرتا ہوں، آپ فرماتے ہیں میرے خدا کا نام سچا ہے میری آنکھ جھوٹی ہے۔  
البتہ اگر دفع کرنے پر بھی (وہ بدگمانی کا خیال) دل سے دفع نہ ہو تو اس پر مواخذہ نہیں مگر اس کا ذکر کرنا، اس کے مقتضی کے موافق برتاؤ کرنا یہ ضرور گناہ ہے، خصوصاً چغلی خوری کی وجہ سے کسی سے بدگمانی ہو جانا۔

(آداب انسانیت)

## بدگمانی کا علاج

ایک طالب کے استفسار پر بدگمانی کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ جب ایسی بدگمانی قلب میں آئے اول علیحدہ بیٹھ کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہوا، اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے تو اے نفس! تو حق تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا، یہ سوچ کر توبہ کرے۔

اور دعا بھی کرے کہ اے اللہ میرے دل کو صاف کر دے، اور جس پر بدگمانی ہوئی ہے اس کے لئے بھی دعا کرے کہ اے اللہ اس کو دونوں جہاں کی نعمتیں عطا فرما، دن رات میں تین بار ایسا کرے۔

اگر پھر بھی اثر رہے دوسرے اور تیسرے دن ایسا ہی کرے، اگر پھر بھی اثر رہے اب اس شخص سے مل کر کہے کہ بلا وجہ مجھ کو تم پر بدگمانی ہو گئی تم معاف کر دو، اور میرے لئے یہ دعا کر دو کہ یہ دور ہو جائے۔ (اشرف السوانح ص ۱۳۲ ج ۲)

## بدگمانی، بدزبانی، عیب گوئی، عیب جوئی کا علاج

(حال) بعض وقت ذرا سی بات پر دوسروں کی طرف سے بدگمانی بھی ہوتی ہے مگر اس کو بھی دل سے بہت دور کرتا ہوں۔

(جواب) اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ زبان پر اس کو کسی کے سامنے نہ لاویں۔ (ترتیب السالک ص ۳۷۶ ج ۱)

(حال) مجھ میں ایک بڑا عیب راسخ ہو گیا ہے کہ دوسروں کا عیب تو بہت بڑا معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ اس میں غیبت تک کی نوبت آ جاتی ہے، اور اپنا عیب نہیں

معلوم ہوتا، ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ یہ بری عادت مجھ سے دور ہو جائے لیکن کسی طرح نہیں جاتی، کوئی طریقہ ہدایت فرمائیں تاکہ یہ بری عادت دور ہو جائے۔

(جواب) دعا بھی کرتا ہوں باقی تدبیر یہ ہے کہ آپ ہر کلام سے پہلے یہ سوچ لیا کیجئے کہ اگر یہ کلام میں نہ کروں تو کوئی ضروری نفع فوت تو نہ ہوگا، جس میں ضروری نفع کا فوت نہ ہونا معلوم ہو اس سے زبان کو بند رکھئے یہ تو زبان کا انتظام ہے۔

باقی اس کی جڑ کا انتظام یہ ہے کہ جب کسی کے عیب پر نظر پڑے تو یوں سوچا کیجئے کہ اس شخص میں یہ عیب ہے مگر ممکن ہے کہ اس میں کچھ خوبیاں ایسی ہوں جن کے اعتبار سے اس کی مجموعی حالت میری مجموعی حالت سے عند اللہ احسن (اللہ کے نزدیک زیادہ اچھی) ہو، پھر مجھ کو اس کی عیب جوئی یا عیب گوئی کا کیا حق حاصل ہے۔ جس طرح اندھے کو یہ حق نہیں کہ کانے کو چڑاوے، بار بار اس مضمون کے استحضار سے انشاء اللہ یہ عیب جڑ سے ختم ہو جائے گا، اور اگر کبھی اتفاق سے پھر بھی اس کا صدور ہو جائے تو بطور جرمانہ کے بیس رکعت نفل پڑھا کیجئے انشاء اللہ نفس سیدھا ہو جائیگا۔ (ترتیب السالک ص ۲۷۸)

## بدگمانی و بدزبانی حرام ہے جس سے سوء خاتمہ کا خطرہ ہے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر تاویل کی جائے تو پھر کوئی بھی مؤاخذہ کے قابل نہیں رہتا، تاویل میں تو بڑی وسعت ہے، فرمایا: تاویل اور توجیہ کا بھی ایک معیار ہے، ایک وہ شخص ہے جس کی غالب حالت صلاحیت کی ہے، دین کا مطیع ہے، عقائد صحیح ہیں ایسے شخص سے اگر کوئی غلطی ہو جائے وہاں تاویل واجب

ہے، اور جہاں فسق و فجور کا غلبہ ہے وہاں تاویل نہ کی جائے گی، اور مستحقین تاویل کی شان میں اگر تاویل بھی نہ کی جائے تب بھی کف لسان (زبان روکنا) واجب ہے گوان کا معتقد ہونا بھی واجب نہیں۔ جیسے شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، بایزید رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کا معتقد ہونا واجب نہیں، مگر گستاخی بھی خطرہ سے خالی نہیں اور خطرہ بھی ایسا جس کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اہل طریق سے بدگمانی کرنے میں سوء خاتمہ (یعنی خاتمہ اچھا نہ ہونے) کا اندیشہ ہے، اور اگر کچھ نہ کہو تو کچھ اندیشہ نہیں تو بہتر صورت یہی ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ کچھ نہ کہو گویہ بھی ضروری نہیں کہ معتقد ہو جاؤ، بس نہ معتقد ہو اور نہ کوئی بے جا کلمہ کہو، اسی میں خیر ہے، اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص امیر ہو اسکے امیر ہونے کا کوئی معتقد نہ ہو لیکن اگر یوں کہے کہ وہ غریب مفلس ہے یہ جھوٹ ہوگا، اور موجب ایذاء (تکلیف کا باعث) بھی، سو معتقد نہ ہونا جرم نہ تھا، جھوٹ بولنا جرم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ان حضرات کا معتقد نہ ہو کوئی جرم نہیں لیکن برا بھلا کہنا یہ بڑی خطرناک بات ہے ہمارے بزرگوں کا مذہب تو یہ ہے کہ وہ افراط و تفریط کو پسند نہ فرماتے تھے، منصوص علیہ حضرات کے سوا کسی خاص بزرگ کا نہ معتقد ہونا فرض ہے نہ برا بھلا کہنا جائز۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۱۰۰ ج ۲)

## اہل حق پر سب و شتم کرنے کا وبال

جو لوگ اہل حق کو سب و شتم کرتے ہیں (یعنی برا بھلا کہتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں) ان کے چہروں پر علم کا نور نہیں پایا جاتا، بلکہ خالص کفار اتنے مسموم نہیں ہوتے جتنے ایسے لوگ ہوتے ہیں، اس کی وجہ میں نے بطور لطیفہ

کے کہی ہے کہ کفر فعل باطن ہے اس کا اثر چھپا ہوا رہتا ہے، اور سب و شتم (برا بھلا کہنا گستاخی کرنا) فعل ظاہر ہے اس کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے۔

(حسن العزیر ص ۳۹۸ ج ۴)

فرمایا: مولوی عبداللہ صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا ہے کہ جس کا جی چاہے قبر کھود کر دیکھ لے فلاں مولوی صاحب کا منہ قبلہ سے پھرا ہوا ہوگا، اس پر مولوی ابوالحسن صاحب نے عرض کیا کہ میں نے یہ بات حضرت گنگوہیؒ سے خود سنی ہے، حضرت کے یہ الفاظ تھے کہ جو کوئی ائمہ پر طعن کرتا ہے اس کا منہ قبر میں قبلہ سے پھر جاتا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں (یعنی بذریعہ کشف آپ کو معلوم ہوا اور منجانب اللہ یہ حالت آپ پر منکشف ہوئی) کہ منہ قبلہ سے پھر گیا، یہ اس وقت فرمایا تھا جس وقت کہ (فلاں) مولوی صاحب کے انتقال کی خبر آئی تھی۔

www.alislahonline.com

(حسن العزیر ص ۱۶۴ ج ۴)

## خبردار! کسی کو حقیر مت سمجھو

کسی کے نام پر، کسی کے اعمال پر، کسی کے لقب پر کسی کی ظاہری حالت پر ہرگز حقیر نہ کرنا چاہئے۔

آج کل یہ مرض عام ہو گیا ہے کہ اکثر لوگ دوسروں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اپنی مطلق فکر نہیں، میں چاہتا ہوں کہ ہر شخص اپنی فکر میں لگے تو بہت جلد سب کی اصلاح ہو جائے، اور بہت سے عبث اور فضول سے نجات ہو جائے، کبھی کسی کی حقیر نہیں کرنا چاہئے بلکہ ہر شخص کے متعلق بدرجہ احتمال یہ اعتقاد رہنا چاہئے

کہ ممکن ہے کہ اس میں خدا کے نزدیک کوئی بات ہم سے بہتر ہو۔

(ملفوظات حکیم الامت ص ۲۲۲ ج ۴، ج ۲)

فرمایا: اگر کسی کا ایک عیب مجھے معلوم ہوتا ہے تو اسی وقت مجھ کو اپنے دس عیب پیش نظر ہو جاتے ہیں، کانے پر وہ کیا ہنسنے جس کی دونوں پٹ ہوں (یعنی اندھا ہو)۔

(کمالات اشرفیہ ص ۲۲۱)

## مرد مسلم کا مقام مسجد اور خانہ کعبہ سے بھی افضل ہے

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو گھورا اور دھمکانا چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پیشاب قطع نہ کرو، سبحان اللہ کیسی حکمت کی بات ہے، اس کے لئے کہ یا تو وہ روکتا یا بھاگتا، روکنے پر تو اس کو سخت تکلیف ہوتی اور بھاگنے سے مسجد اور زیادہ خراب ہوتی جب وہ باطمینان پیشاب کر چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈول اس جگہ بہا دینے کا حکم صادر فرمایا کہ یہ مسجد اللہ کا گھر ہے اس میں عبادت کی جاتی ہے، اس کو ناپاکی سے ملوث نہیں کرنا چاہئے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ مسلمان کی وقعت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مسجد سے زیادہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کی رعایت مسجد سے زیادہ فرمائی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے خانہ کعبہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو بہت عظمت والا ہے، مگر مؤمن اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ اکرم (عزت والا) ہے۔

(رواہ الطبرانی بسند حسن)

تو جب مؤمن کعبہ سے افضل ہے تو دوسری مساجد سے تو یقیناً افضل ہے، چونکہ پیشاب روکنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بیماری اور تکلیف کا اندیشہ تھا اس لئے مسجد کے ملوث ہونے کی پروا نہ فرمائی۔

(الدرین الخالص ص ۸)

## مرد مسلم و مؤمن کے ساتھ ہمارا غلط رویہ

آج یہ حالت ہے کہ مؤمن کی تذلیل کرتے ہیں اور فسوس تو یہ ہے کہ غیر تو میں مؤمن کی اتنی تذلیل نہیں کرتیں جتنی یہ نئی روشنی والے غریب مسلمانوں کی تحقیر کرتے ہیں، خاص ہماری قوم میں جو ایک طبقہ ذرا کھاتے پیتے لوگوں کا ہے وہ لوگوں کو بدتہذیب کہتے ہیں اور ان کو چوپاؤں (جانوروں) سے بدتر سمجھتے ہیں اور پھر مسلمان کہلاتے ہیں اور اپنے آپ کو خیر خواہ قوم کہتے ہیں بس ان کا یہی جواب ہے۔

www.alislahonline.com

”قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ“

”آپ فرمادیجئے کہ یہ افعال بہت برے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کر رہا ہے“

ہر کس از دست غیر نالہ کند  
سعدی زدست خویشتن فریاد

”ہر شخص غیروں کا شاک ہے اور ان سے نالاں مگر سعدی کو اپنوں ہی کی

(الدرین الخالص)

شکایت ہے“

## مسلمانوں میں باہم اتحاد و اتفاق کیسے قائم ہو؟

مسلمانوں کو آپس میں متحدر ہونا چاہئے، اگر کسی کی غیبت ہوتی ہو تو غیبت کرنے والے کو روکنا چاہئے، اگر وہ نہ مانے تو خود اٹھ جانا چاہئے، اسی طرح ہر شخص کو ضروری ہے کہ اپنے کو سب سے کم سمجھے، اس طرح سے انشاء اللہ تعالیٰ مخالفتیں بہت کم ہوں گی، کیونکہ اکثر جو عداوتیں ہو جاتی ہیں ان کا بڑا سبب یہی تکبر ہے جس سے غیبت بھی پیدا ہوتی ہے، علیٰ ہذا ہر مسلمان کو اپنے دوسرے بھائی مسلمان کے لئے دعائے خیر کرنی چاہئے، غرض ہر مسلمان سے اگر وہ بتلائے معاصی بھی ہو وہ برتاؤ کرو جو اپنے بیمار بھائی سے کرتے ہو، کیونکہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ حدیث میں ارشاد ہے وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا (یعنی تم اللہ تعالیٰ کے بندے آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ)

(الدرین الخالص ص ۹)

## حرص و لالچ اور خواہش نفسانی کا اتباع بھی

### اختلاف و فساد کا ذریعہ ہے

گذشتہ امتوں میں بڑے اچھے اچھے لوگ ہوئے ہیں ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ ایک مکان بیچا، مشتری جب اس میں داخل ہوا تو ایک گھڑ اسونے کا بھرا ہوا پایا وہ گھڑالے کر بائع کے پاس آیا کہ لو اپنا گھڑالے لو، تمہارے مکان میں سے نکلا ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو مکان کی قیمت لے چکا، میرا اس میں کیا ہے اس نے کہا میں نے تو مکان کی قیمت دی ہے اس پر عقد ٹھہرا ہے یہ گھڑا عقد میں شامل

نہیں ہے میں کیسے لے لوں، ایمان داری اسے کہتے ہیں۔ (مسلم شریف)  
ہم لوگوں میں جو بجائے ایثار کے کشاکشی اور نزاع و جدال (لڑائی جھگڑا) ہے اس کی وجہ اتباع ہوئی ہے۔ یہی (اتباع ہوئی یعنی خواہش نفس) باہم اتفاق نہیں ہونے دیتا، آج کل سب نے یاد کر لیا ہے اتفاق، اتفاق، یہ خبر نہیں کہ اتفاق کس سے ہوتا ہے، اتفاق ہوتا ہے خواہش نفسانی کو روکنے سے، دو شخصوں میں جب جھگڑا ہوگا کسی ایسی ہی چیز پر ہوگا کہ ہر ایک ان میں سے اس کی خواہش رکھتا ہوگا۔ اگر وہ دونوں اپنی خواہش کو روک لیں اور اس چیز کی طلب چھوڑ دیں تو پھر جھگڑا کیسا اور نا اتفاقی کہاں، اتفاق اتفاق کہتے رہئے اور نفس کو روکنے نہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے؟

خواہش نفسانی کی ایک خرابی سنئے! مثلاً میرا اور آپ کا جائداد پر مقدمہ ہے، ہر شخص کی خواہش ہوئی کہ مجھ کو ہی پورا مل جائے بس لڑائی ہوگئی، اگر دونوں یہ کہتے کہ ہمیں کچھ نہیں چاہئے تو طول کا ہے کو کھینچتا، مقدمہ بازی کی نوبت کیوں آتی اور باہمی نفاق و عداوتیں کیوں پیدا ہوتیں۔ (طلب الیضہ ص ۳۰۸)

www.alislahonline.com

## باہمی عداوت کا ایک بڑا سبب غیبت و چغلی خوری

معصیت سے اکثر مضرتیں متعدی ہو جاتی ہیں جیسے غیبت کہ جب ایک آدمی کسی کی غیبت کرے گا تو دوسرے کو خبر پہنچے ہی گی پھر وہ کیوں نہ کرے گا بلکہ اس سے زیادہ کرے گا، اس سے دونوں میں عداوت پیدا ہوگی پھر عداوت وہ چیز ہے کہ جب دو میں پڑ جاتی ہے تو دونوں کا نماز روزہ سب غارت ہو جاتی ہے، اٹھنے میں بیٹھنے میں سونے میں ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ کسی طرح دوسرے کو نقصان پہنچے، نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور دل میں دوسرے کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں

سوچی جا رہی ہیں یہ کیا نماز ہوئی، شغل قلب ہوا، اور کا ہے سے؟ حرام چیز سے، منہ میں روزہ ہے اور زبان دوسرے کی غیبت میں آلودہ ہے، دل میں خوش ہیں کہ روزہ ہے یہ خبر نہیں کہ روزہ میں ان چیزوں کو تو چھوڑا جو فی نفسہ حلال تھیں یعنی کھانا پینا اور جو چیز ہمیشہ سے حرام ہے اس کو نہ چھوڑا تو کیا روزہ ہوا۔

غرض یہ عداوت اسی غیبت کی بدولت ہوئی اور عداوت وہ چیز ہے کہ قلب کو ایک ہی طرف کا کر لیتی ہے اور صرف ایک کام رہ جاتا ہے وہ کیا مضرت رسانی، (دوسرے کو نقصان پہنچانا اور اسکی تکلیف و معصیت سے خوش ہونا)

(طلب الحجہ لمحقہ جزا و سزا ص ۳۰۷)

## عمومی مرض غیبت

یہ گناہ نہایت ہی شدید ہے ”الْغَيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا“ اور پھر غیبت بھی دو قسم کے لوگوں کی ہوتی ہے ایک تو برے کو برا کہنا اور ایک اچھے کو برا کہنا، عوام الناس اگر غیبت میں مبتلا ہیں تو وہ اکثر ایسے لوگوں کو برا کہتے ہیں جو کہ واقع میں بھی برے ہیں۔

اور ہم لوگ ایسے لوگوں کو برا کہتے ہیں جو کہ نہایت صالح متقی عالم فاضل ہیں اکثر طالب علموں کی زبان سے سنا ہوگا کہ فلاں شخص کو آتا ہی کیا ہے، فلاں میں یہ عیب ہے اگرچہ ان فضلاء میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ فضول سے مشتق ہیں اور ان کی غیبت (بعض حالات میں) جائز بھی ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو خلق اللہ کو گمراہ کر رہے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ ان کی غیبت سے بھی بچا جائے کیونکہ جب غیبت کی عادت ہو جاتی ہے تو پھر اچھے برے کی تمیز نہیں رہتی اور حفظ حدود نہیں

ہوسکتا۔ یہ حالت ہوتی ہے کہ جس کی طرف سے ذرا بھی کدورت ہوئی فوراً اسکا تذکرہ برائی کے ساتھ شروع کر دیا۔

غیر مقتدا کو تو غیبت کرنے کی کم نوبت آتی ہے اور یہ (علماء و فضلاء اور مصلح قوم) مرجع الخلاق ہوتے ہیں اس لئے ان کو غیبت سننے کی نوبت بہت آتی ہے، سیٹروں آدمی ان کے پاس آتے ہیں اور ہر شخص ان کے پاس یہی تحفہ لے کر آتا ہے، اور یہ اس تحفہ کو قبول کرتے ہیں، ہاں جو عاقل ہوتے ہیں وہ ایسے لوگوں کا علاج بھی کرتے ہیں، حضرت حاجی صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص آپ کو یوں کہتا تھا، حضرت نے فرمایا کہ اس نے تو پس پشت کہا لیکن تم اس سے زیادہ بے حیا ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔

(دعوات عبدیت العمل للعلماء ص ۲۶)

## احکام الغیبت

غیبت یہ ہے کہ کسی کے پیچھے اس کی ایسی برائی کرنا کہ اس کے سامنے کی جائے تو اس کو رنج ہو گو وہ سچی بات ہو ورنہ بہتان ہے، غیبت گناہ کبیرہ ہے البتہ جس سے بہت کم تازی (تکلیف) ہو وہ صغیرہ ہوسکتا ہے جیسے کسی کے مکان یا سواری کی مذمت کرنا۔

اور جو سامع (سننے والا) دفع (منع) کرنے پر قادر ہو اس کا سننا بھی تکلم (یعنی غیبت کرنے) کے حکم میں ہے۔

صبی (بچہ) مجنون اور کافر ذمی کی بھی غیبت حرام ہے کیونکہ اس کی ایذا حرام ہے، اور کافر ربی مباح الایذاء کی غیبت بعلت تضحیح وقت کے مکروہ ہے۔

غیبت کبھی فعل سے ہوتی ہے مثلاً کسی لنگڑے کی نقل بنا کر چلنے لگے جس سے اس کی حقارت ہو۔

اگر برائی کرنے کی کوئی ضرورت یا مصلحت ہو جو شرعاً معتبر ہو تو وہ غیبت حرام میں داخل نہیں، جیسے ظالم کی شکایت ایسے شخص کے سامنے جو ظلم دفع کر سکے، یا مستفتی صورت واقعہ بیان کرنے کی غرض سے کسی کا ذکر کرے، یا مسلمانوں کو کسی شردنیوی یا دینی سے بچانے کیلئے کسی کا حال بتلا دے، یا کسی معاملہ کے متعلق اس سے مشورہ لینے کے وقت اس کا حال ذکر کر دے، اور بلا اضطرار غیبت سنا غیبت کرنے کے مثل ہے۔ (بیان القرآن ص ۷۷ ج ۱۱)

## نا اتفاقی کا بڑا سبب زبان بے لگام

آج کل بڑے زور شور سے کوشش کی جاتی ہے کہ ہم لوگوں میں نا اتفاقی نہ رہے اس کے لئے تقریریں ہوتی ہیں جلسے کئے جاتے ہیں لیکن جو نا اتفاقی کی جڑ ہے یعنی زبان اس کے کاٹنے کی آج تک کسی کو فکر نہیں۔

صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ نا اتفاقی کا بڑا سبب ہم لوگوں کی زبان ہے جس کو لگام ہی نہیں جو چاہا کہہ دیا، جس کو چاہا کہہ دیا، یہ ظالم اس قدر چلتی ہے کہ جس کی حد نہیں، غضب یہ ہے کہ کبھی تھکتی نہیں، دوسرے اعضاء مثلاً سر آنکھ کان ہاتھ پیر جب ان سے ضرورت سے زیادہ کام لیا جاتا ہے تو تھک جاتے ہیں لیکن زبان کسی وقت تھکنے کا نام نہیں لیتی۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو تمام اعضاء زبان سے خوشامد کرتے ہیں کہ تو ٹھیک رہنا اگر تو درست رہی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو بگڑی تو ہم سب بگڑ جائیں گے۔ (دعوات عبدیت ص ۷۷ ج ۱۲)

آج یہ حالت ہے کہ ایک ذرا سی بات کسی کو کہہ دیجئے پھر دیکھئے کیسی قیامت قائم ہوتی ہے بلکہ بلا وجہ بھی لوگ سر ہو جاتے ہیں۔

عیب گوئی اور عیب جوئی کی ایک خرابی اور نقصان یہ ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ جس شخص کی برائی کی جا رہی ہے اس کو خبر نہ ہو، اور خبر ہونے کے بعد بہت دشوار ہے کہ وہ تم کو برانہ کہے اور پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ اس کے کہنے کی تم کو خبر نہ ہو اور اس تمام الٹ پھیر کا نتیجہ یہ ہے کہ آپس میں عداوتیں بڑھیں اور دشمنیاں قائم ہوں اور پھر یہ عداوتیں بعض اوقات ایک زمانہ تک چلتی ہیں اور ان کی بناء محض ذرا سی بات کہ اس نے ہم کو یوں کہہ دیا تھا، حالانکہ اگر کہہ بھی دیا ہو تو کیا عزت میں فرق آگیا؟

(دعوات عبدیت ص ۹۵ ج ۴)

## قلم اور تحریر کے ذریعہ عیب گوئی و عیب جوئی

خوب یاد رکھو! کہ جو حکم زبان کا ہے وہی قلم کا ہے زبان سے جھوٹ بولنا غیبت کرنا جس طرح جائز نہیں قلم سے بھی جائز نہیں۔ ایسے ہی قلم سے فضول مضامین لکھنے کا اثر ہے، موٹی سی بات ہے کہ جیسے زبان ترجمان قلب ہے ایسے قلم بھی ہے جو بات زبان سے منع ہوگی قلم سے کیوں نہ منع ہوگی بلکہ قلم کا گناہ زبان سے سخت ہونا چاہئے کیونکہ زبان کی باتوں کو ثبات اور بقاء نہیں، زبان کی باتوں کا اثر تھوڑی دور تک پہنچتا ہے یعنی صرف وہاں تک جہاں تک وہ آواز پہنچے، اگر کسی نے زبان سے غیبت کی تو سننے والے دوچار ہوں گے غیبت کرنے والا اتنے ہی مجمع کو گنہگار کرنے کا سبب بنا اور اس شخص کی آبروریزی صرف اتنے ہی مجمع میں ہوئی بخلاف قلم کے اس کی آواز مشرق سے مغرب تک پہنچتی ہے جتنے آدمی اس

برائی میں شریک ہوں گے ان سب کا سبب یہی شخص ہوگا۔ ہزاروں شخص کے سامنے اس کی آبروریزی ہوگی تنہائی میں کسی کے جوتہ مارنا اور اثر رکھتا ہے اور ہزاروں ہزار کے مجمع میں مارنا اور، اہل قلم اپنے آپ کو مرفوع القلم سمجھتے ہیں جیسے آج کل شاعروں نے سمجھ رکھا ہے کہ شعر میں سب روا ہے یہ خیال بالکل غلط ہے۔

(دعوات عبدیت ص ۵۳ ج ۱۷)

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ یہ بھی غیبت ہے کہ کسی کے مکان میں یا گھوڑے میں یا اولاد میں یا کسی اور چیز میں یا اس کے متعلقات میں سے کسی چیز میں عیب نکالا جائے، یا ایسی باتیں ہیں کہ آج کل محتاط لوگ بھی اس کا کم خیال رکھتے ہیں اور جہاں مجمع ہوتا ہے وہاں کا تو ذکر ہی کیا میرا تجربہ یہ ہے کہ (جہاں چند لوگ بیٹھے اور کسی کا ذکر شروع ہوا ضرور کسی نہ کسی کی برائی اس تذکرہ میں آجاتی ہے) علاج اس کا یہی ہے کہ لوگوں سے علیحدہ رہے جب لوگوں سے میل ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ ان مفاسد کا دخل ہو ہی جاتا ہے۔ میں تحقیق سے کہتا ہوں کہ ان (معاصی) کا بڑا سبب بیکار بیٹھنا ہے اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ چوپالوں اور بیٹھکوں میں جمع ہو کر بیٹھتے ہیں اس کا نام تفریح طبع اور دل بہلانا رکھا ہے وہاں کوئی دنیا کا کام تو ہوتا نہیں اور نہ دین کا کام ہوتا ہے سوائے ہنسی مذاق اور ان مشغلوں کے جن کو میں بیان کر چکا ہوں۔ وہاں اور کوئی مشغلہ تو ہے نہیں غیبت وغیرہ کی عادت پہلے سے پڑی ہوتی ہے وہاں بیٹھ کر کم از کم یہی ہوتا ہے کہ زائد از کار (فضول) باتیں ہوتی ہیں کہ آم فلاں باغ کے اچھے ہوتے ہیں، اب کی بارش اچھی ہو رہی ہے، باغوں میں لطف آرہا ہے، کھیل کود کا موسم ہے وغیرہ وغیرہ، یاد رکھئے فضول باتیں بھی فی نفسہ بری اور منکرات اللسان میں داخل ہیں۔ فضول باتیں ایسی ہیں جیسے گولی لگ گئی، زبان

اس وقت ہمارے قبضہ میں ہے اس واسطے قدر نہیں اس کی قدر جب ہی سمجھ میں آئے گی جب یہ ہاتھ سے نکل جائے گی پھر چاہیں گے ایک دفعہ موقع مل جائے کہ ایک دو بار اللہ کہہ لیں۔ (لیکن اختیار میں نہ ہوگا)

(دعوات عبدیت ص ۹۷ ج ۱۲)

## غیبت کی ایک شاخ

ایک شاخ غیبت کی چغلی ہے وہ یہ ہے کہ کسی کی شکایت آمیز بات دوسرے کو پہنچائی جائے غیبت تو مطلق کسی عیب کے نقل کرنے کو کہتے ہیں اور چغلی وہ غیبت ہے جس میں شکایت بھی ملی ہوئی ہو اس کے سننے سے سننے والے کو ضرور غصہ آتا ہے اور وہ دس گنا بدلہ لینے کو تیار ہو جاتا ہے، دونوں میں لڑائی ہو جاتی ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو چغلی بھی اکثر بے بنیاد ہوتی ہے، سننے والوں سے تعجب کرتا ہوں کہ وہ اس پر کیسے عمل کر لیتے ہیں جس شخص کی چغلی کھانے کی عادت ہے وہ ایک ہی جانب کی چغلی نہیں کھائے گا بلکہ تمہاری بات بھی اس کے سامنے لگائے گا، اگر اس چغلی کو سچ سمجھا ہے تو اپنے اس عیب کو سچ سمجھنا چاہئے، یہ کوئی نہیں کرتا دوسرے کی شکایت کو تو سمجھ لیتے ہیں کہ ضرور کچھ اصل ہوگی جب تو ہم سے کہا تو اسی طرح اپنی بات کو بھی سمجھو کہ کچھ تو اصل ہوگی جب تو دوسرے تک پہنچی، غرض چغلی کھانا اور اس کی بات پر یقین کر لینا دونوں بے عقلی کی بات ہیں اس مرض سے بہت بچنا چاہئے۔

(دعوات عبدیت ص ۶۱ ج ۱۷)

## چغلی کا علاج

چغلی کا سیدھا علاج یہ ہے کہ اول تو منع کر دے کہ ہم سے کسی کی بات مت کہا کرو، اور جو وہ نہ مانے تو چغلی خوری کے ساتھ چغلی کا ہاتھ پکڑ کر اس شخص سے مواجہہ (یعنی سامنا) کر دے جس کی چغلی کھائی ہے، غالباً یا تو یہ چغلی رچھوٹا نکلے گا اور پھر کبھی چغلی نہ کھائے گا، اور اگر سچا نکلا تو وہ شخص شرمندہ ہو کر معذرت کرے گا، اور اس طریقہ سے باہم صلح و صفائی ہو جائے گی، اور جن دو شخصوں میں منہ در منہ صفائی کی باتیں ہو جاتی ہیں پھر چغلی کھانے کی ہمت ذرا کسی کو کم ہوتی ہے۔

(فروع الایمان لمحققہ اصلاحی نصاب ص ۳۷۴)

## اپنے کو اچھا اور دوسروں کو حقیر اور گنہگار سمجھنے کا مرض

(آج ہم کو) اپنا عیب تو نظر نہیں آتا اور دوسروں کی عیب جوئی میں لگے ہوئے ہیں، بلکہ دوسروں کی خیر بھی خیر نظر نہیں آتی، اور جو ہم میں مقدس کہلاتے ہیں وہ بھی عُجْب وریا میں مبتلا ہیں، اور عُجْب پیرایہ میں اس کا اظہار ہوتا ہے، چنانچہ جب طاعون یا کوئی بیماری پھیلتی ہے تو کہتے ہیں کہ میاں طاعون کیوں نہ ہو، لوگوں کے اعمال تو دیکھئے کیا ہیں، فلاں شراب پیتا ہے، فلاں زنا میں مبتلا ہے، اور جو ذرا اور زیادہ محتاط ہیں اور نام نہیں لیتے وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے ہم لوگ ایسے ایسے اعمال میں مبتلا ہیں لیکن مراد اس سے دوسرے ہی ہوتے ہیں، یہ کبھی کسی کو کہتے سنا نہیں ہوگا کہ میرے اعمال خراب ہیں، میں نماز میں جی نہیں لگاتا، یا فلاں عیب میرے اندر ہے اس کے سبب سے یہ تباہی آرہی ہے، جب تعجب

ہوتا ہے ہمیشہ دوسروں کے اعمال سے ہوتا ہے، غرض ان کے سامنے دو فہرستیں رہتی ہیں، اپنے تو نیک اعمال کی اور دوسروں کی بد اعمالیوں کی، اپنے نفس کا تبریہ اور تزیہ (یعنی اپنی براءت اور صفائی) ان کا ہر وقت مشغلہ ہے حالانکہ جو بڑے بڑے اولیاء کرام گذرے ہیں ان کی نظر ہمیشہ اپنے عیوب پر رہی ہے، اور اولیاء تو علیحدہ انبیاء علیہم السلام بھی معصوم ہونے کے باوجود اپنے نفوس کا تبریہ (یعنی اپنے نفس کی براءت اور صفائی) نہیں فرماتے، دیکھئے یوسف علیہ السلام کیا فرماتے ہیں ”وَمَا أُبْرِي نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ“ جن کی نزاہت (و براءت) کی خود حق تعالیٰ گواہی دے رہے ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔ ”كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ“ اے حضرت! جب یوسف علیہ السلام اس تقدس و براءت کے باوجود دعویٰ نہ کریں تو ہم بیچارے کس شمار میں ہیں مگر ہم میں یہ مرض موجود ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھتے ہیں اور اپنے نفس کی خبر نہیں۔“

www.alislahonline.com

صاحبو! کا ہے پرناز ہے یاد رکھو! حق تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جن کو تم حقیر سمجھتے ہو ان کو تمہاری جگہ کر دیں اور تم کو ان کی جگہ تو حضرت! یہ اناخیر من فلان (کہ میں فلاں سے اچھا ہوں) کا وہ عیب ہے کہ شیطان نے ایک مرتبہ کہا تھا اناخیر منہ، (کہ میں آدم سے بہتر ہوں) دیکھ لو کیا نتیجہ ہوا، تمام عمر کے لئے ملعون ہو گیا، اور جس کارات دن یہی شغل ہو ”اناخیر من زید اناخیر من عمرو“ (میں زید سے اچھا ہوں میں عمرو سے اچھا ہوں) اس کے لئے کیا ہونا چاہئے، بزرگان دین کی یہ حالت تھی کہ جیسے ہم قحط اور وبا اور طاعون کے اسباب دوسروں کے گناہ تجویز کرتے ہیں وہ حضرات اپنے گناہ کو اس کا سبب سمجھتے ہیں۔

(عمل الذرۃ لمحققہ آداب انسانیت ص ۵۱۴)

## دوسروں کے عیوب پر نظر کرنا

جو فہم اور دیندار ہیں وہ بھی دوسروں کے گناہوں کو شمار کرتے ہیں دوسروں کے عیوب پر ہم لوگوں کی نظر ہوتی ہے کبھی کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اپنے اعمال کو عذاب کا سبب بنایا ہو حالانکہ زیادہ ضرورت اسی کی ہے۔

رات دن ہمارا سبق ہے کہ ہم ایسے اور ہم ویسے اور دوسرا ایسا اور ایسا، امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ اے عزیز! تیری ایسی مثال ہے کہ تیرے بدن پر سانپ بچھو لپٹ رہے ہیں اور ایک دوسرے شخص پر مکھی بیٹھی ہے تو اس کو مکھی بیٹھنے پر ملامت کر رہا ہے، لیکن اپنے سانپ بچھو کی خبر نہیں لیتا۔

ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اپنی آنکھ میں شہیتز بھی نظر نہیں آتا اور دوسرے کی آنکھ کے تنکے کا تذکرہ کر رہے ہیں، حالانکہ اول تو یہ دونوں مستقل عیب ہیں کیونکہ اپنے عیبوں کا نہ دیکھنا یہ بھی گناہ ہے، اور دوسرے کے عیوب کو بے ضرورت دیکھنا یہ بھی گناہ ہے، اور بے ضرورت کے یہ معنی ہیں کہ اس میں کوئی شرعی ضرورت نہ ہو، ایسے افعال جو شرعاً ضروری اور مفید نہ ہوں عبث اور لالیعنی کہلاتے ہیں حدیث پاک میں ان کے ترک کا امر ہے۔

(وعظ نسیان النفس بالحقہ دعوات عبدیت ص ۹۸ ج ۲)

ہم لوگوں کی مجالس میں رات دن تمام مخلوق کی غیبتیں شکایتیں ہوتی ہیں، کیا ان سے سوائے بدنام کرنے کے اور کچھ مقصود ہوتا ہے؟ کچھ بھی نہیں، یہ لوگ ایک تو غیبت کے گناہ میں مبتلا ہوئے دوسرے ایک لالیعنی فعل کے مرتکب ہوئے۔

عیب جوئی اور گوئی سے اگر یہ مقصود ہے کہ اس شخص سے یہ عیب جاتا رہے (اور اس کی اصلاح ہو) تو کیا وجہ ہے کہ کبھی اس کے آثار کیوں نہیں پائے گئے، کیا کبھی کسی شخص نے صاحب عیب کو خطاب کر کے نہایت شفقت کے ساتھ اس کے عیوب پر مطلع کیا ہے؟ اور اگر نہیں کیا تو کیا محض چار آدمیوں میں کسی کے عیب کا تذکرہ کر دینا اصلاح کہلائے گا؟ ہرگز نہیں۔

حضرت رابعہ بصریہؒ شیطان کو بھی برانہ کہتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ جتنی دیر اس فضول کام میں صرف کی جائے اتنی دیر تک اگر محبوب کے ذکر میں مشغول رہیں تو کس قدر فائدہ ہے۔ (دعوات عبدیت ص ۱۲ ج ۱۲)

## اپنی اصلاح کے بجائے دوسرے کی فکر میں پڑنا

اب میں ایک اور مشغلہ کا بیان کرتا ہوں جو شعبہ اسی عیب گوئی و عیب جوئی کا ہے اور جس میں بہت سے پڑھے لکھے (دیندار) آدمی بھی پڑے ہوئے ہیں اور اس کے مفاسد پر تو نظر کیسی اس کو اچھا کام سمجھے ہوئے ہیں، وہ یہ ہے کہ اپنی فکر چھوڑ کر دوسروں کی اصلاح کے درپے ہوتے ہیں، ظاہراً یہ ایک عمل صالح معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں ایک شیطانی دھوکہ ہے اس وقت میں اپنا مخاطب ان لوگوں کو بناتا ہوں جو اس کے اہل نہیں ہیں، اصلاح فی نفسہ عمل صالح اور مامور بہ ہے لیکن ہر شخص کے لئے نہیں، اس کام کو وہ انجام دے جو پہلے اپنی اصلاح پر قدرت رکھتا ہو۔ درحقیقت یہ اصلاح نہیں عیب جوئی ہے جس کا بیان یہ ہے، کہ بعض لوگ غیبت اور عیب جوئی وغیرہ سے احتراز کرنا چاہتے ہیں اور شیطان ان کو بہت ترکیبوں سے اس میں مبتلا کرنا چاہتا ہے جب کوئی داؤ نہیں چلتا تو یہ سمجھاتا ہے کہ

دوسرے کی اصلاح کرو اس دام میں آکر دوسروں کے عیوب پر نظر ڈالنے کی عادت ہو جاتی ہے، اور دل میں یہ اطمینان ہوتا ہے کہ ہم عیب جوئی تھوڑا ہی کرتے ہیں بلکہ اس کی اصلاح کے درپے ہیں، جہاں کہیں بیٹھتے ہیں ان عیبوں کو ذکر کرتے ہیں اور اچھی طرح غیبت کر لیتے ہیں ہاں آخر میں دل کو تسلی دینے کیلئے اور اپنی برأت قائم رکھنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ بھائی خدا اس کے حال پر رحم کرے یہ عیب اس میں ہیں ان کو دیکھ کر بڑا دل دکھتا ہے، بطور غیبت کے نہیں کہتے بلکہ ہم کو ان سے تعلق ہے یہ برائیاں دیکھ کر ہم کو رحم آتا ہے خدا کرے یہ برائیاں کسی طرح چھوٹ جائیں، سبحان اللہ! بڑے خیر خواہ ہیں سر سے پیر تک تو اس کا گوشت کھالیا مجموعوں میں اس کو ذلیل کر دیا، اور ایک کلمہ سے بری ہو گئے؟ صاحبو! یہ سب نفس کی چالیں ہیں اس سے آپ کو دو نقصان پہنچتے ہیں ایک اپنی اصلاح سے رہ جانا دوسرے غیبت وغیرہ معاصی میں پڑنا۔

عیب گوئی اور جوئی کا مرض ہم میں نہایت عام ہے اور جن کو خدا تعالیٰ نے چار پیسے دیئے ہیں وہ خصوصیت کے ساتھ اس میں مبتلا ہیں کیونکہ معاش کی طرف سے فراغ ہو جانے کی وجہ سے کوئی کام تو رہا نہیں اور جو اصلی کام تھا ذکر اللہ اس کو کرتے نہیں اس لئے دن رات چوبیس گھنٹے پورے ہونے (اور وقت کاٹنے) کی اس کے سوا کوئی ترکیب نہیں کہ چند ایسے ہی لوگوں کا مجمع ہو اور اس میں دنیا بھر کے خرافات ہانکے جائیں۔

بلکہ بعض دیندار بھی جن کو کچھ فراغت ہے اس میں مبتلا ہیں بلکہ عوام سے زیادہ مبتلا ہیں کیونکہ وہ لوگ تو بسا اوقات شطرنج وغیرہ میں مشغول ہو کر اس سے چھوٹ بھی جاتے ہیں اور دیندار لوگ اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اس

لئے ان کو سوائے مجلس آرائی و عیب گوئی کے اکثر اور کوئی مشغلہ ہی نہیں ملتا۔

(دعوات عبدیت نسیان النفس ص ۲۷۹ ج ۲)

## حالات کی تفتیش اور عیب جوئی کا حق کس کو ہے؟

جس کے سپرد خدا تعالیٰ نے اصلاح خلق کا کام کر دیا ہو اس شخص کو بھی تفتیش حالات کی ضرورت ہے، بغیر علم حالات کے اصلاح ممکن نہیں ہے۔ مثلاً حاکم وقت جب تک حالات کی تفتیش نہ کرے گا مجرموں کو سزا نہ دے سکے گا، مگر اس کو بھی ایسے امور میں اجازت ہے کہ جن میں تفتیش نہ کرنے سے فساد کا احتمال ہو اور جو امور ایسے نہیں ہیں ان میں حاکم کو بھی تجسس کی اجازت نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اتالیق یا نگراں ہو تو اس کو بھی تفتیش حالات کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر اصلاح ممکن نہیں، مثلاً شوہر کو بیوی کے حالات کی تفتیش کی ضرورت ہے یا کوئی شخص مصلح قوم ہو اس کو بھی مجموعی طور سے قوم کے حالات کا علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے ورنہ وعظ و پند کچھ نہ کر سکے گا۔

مگر مصلح کو بھی اسی وقت تک اجازت ہے کہ تفتیش سے مقصود اصلاح ہو، اور اگر تحقیق کے لئے ایسا کرے گا تو اس کو بھی ہرگز اجازت نہ ہوگی، کیونکہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔

چھپ کر باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سن لینا سب تجسس میں داخل ہے، اگر کسی سے مضرت پہونچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے اس مضرت رساں کی تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرے تو جائز ہے،

(بیان القرآن، دعوات عبدیت ص ۲۷۹ ج ۲)

## تجسس اور عیب جوئی کے احکام اور جواز کے مواقع

اس پر اجماع ہے کہ اگر ہم کسی شخص کی برائی سن کر بالکل التفات نہ کریں جائز ہے بلکہ بعض جگہ تو تجسس (یعنی خفیہ طور پر کسی کا راز معلوم کرنا مثلاً کسی کی باتیں چپکے سے سننا) حرام ہے۔

قول مجمل یہ ہے کہ جہاں تحقیق نہ کرنے سے (عیب جوئی نہ کرنے سے) کوئی واجب شرعی فوت ہوتا ہو تو وہاں تحقیق واجب ہے، مثلاً سلطان کسی کے ارتداد کی خبر سننے تو چونکہ ارتداد کی صورت میں اس پر واجب ہے کہ اس کو توبہ کرائے ورنہ قتل کرے اس لئے تحقیق واجب ہوگی۔

اور جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب فوت نہیں ہوتا اور تحقیق کرنے سے اس مبلغ عنہ کا بھی کوئی ضرر نہیں ہوتا تو وہاں تحقیق جائز ہے جیسے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھ کو مارے گا اور اگر تحقیق کرنے سے اپنی کوئی دفع مضرت نہیں اور اس دوسرے کو ناگواری ہے تو تحقیق حرام ہے جیسے کسی نے سنا کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے تو تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی ضرر نہیں، اور تحقیق کرنے سے وہ فضیحت (رسوا) ہوتا ہے۔ (بیان القرآن ۴۳ ج ۱۱)

## اصلاح کا طریقہ اور خیر خواہی کا تقاضا

آپ کا کوئی بیٹا نالائق ہو اور برے افعال میں مبتلا ہو آپ کو تنگ کرتا ہو، اسکے عیب آپ کی زبان پر ہر جگہ نہ آئیں گے اس کے عیب زبان پر آنے سے آپ کا دل دکھے گا اور حتی الامکان یہ چاہیں گے کہ یہ عیب کسی پر ظاہر نہ ہوں، اور اس کو

مناسب طریقہ سے تنہائی میں آپ سمجھائیں گے کہ یہ حرکتیں چھوڑ دو، یہ کبھی نہ ہوگا کہ آپ ان عیبوں کو جگہ جگہ گاتے پھریں اصلاح اس کو کہتے ہیں۔ اگر آپ کو اس شخص کی اصلاح کرنی ہے جس کی غیبت میں آپ مبتلا ہیں تو دوسروں کے سامنے اس کے عیب ظاہر کرنے سے کیا فائدہ اس کو تنہائی میں سمجھائیں اور اسی طرح سمجھائیے جیسے اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہیں، میں سچ کہتا ہوں کہ جو اثر آپ کے دس جگہ ان عیبوں کے مجمع میں ذکر کرنے سے ہوتا ہے اس سے زیادہ ایک جگہ علیحدگی میں سمجھانے سے ہوگا۔ اور اگر اس کی ہمت نہیں ہوتی کہ اس کو تنہائی میں سمجھائیں بلکہ جمعوں میں اس کے عیب ظاہر کرنے میں لطف آتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ وہی شیطان کا دھوکہ ہے جو ہر آلود مٹھائی کا کام دے گا۔ (دعوات عبدیت ص ۶۴ ج ۱۷)

## اپنے کو بھول کر دوسرے کو الزام دینا

دوسرے کو الزام نہیں دینا چاہئے کیونکہ یہ طریقہ مفید نہیں، اگر کسی دوسرے کو الزام دے بھی دیا تو اس کا کیا کام ہوا؟ یعنی تہذیب نفس، اور اس کی اصلاح کیا ہوئی؟ یہ تو ایسی بات ہوئی کہ جیسے ایک شخص بتلائے کہ تمہارے منہ پر کالک لگ گئی ہے، اور یہ سننے والا بجائے اپنی کالک چھڑانے کے اس کو الزام دینے لگے کہ تیری بھی تو ناک ٹیڑھی ہے یہ بات اگر واقع میں سچی بھی ہو اور الزام غلط نہ ہو تب بھی یہ دیکھو کہ اس الزام سے تم کو کیا نفع ہوا؟

جو شخص نفس کی تربیت کرنا چاہتا ہے اسے دوسرے کو الزام دینے کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے، اگر دوسرا کسی بات میں گھٹا ہوا بھی ہے تب بھی اس کو اس کے مقابلہ میں اپنے نفس کو بڑھانے سے کیا فائدہ، اس صورت میں اپنے نفس کی

تربیت نہیں کی بلکہ ایک برائی زیادہ کر لی اور حاصل یہ ہوا کہ پہلے تو شاید اس دوسرے شخص سے کسی بات میں بڑھا ہوا بھی ہو لیکن اب یعنی جب کہ اپنے نفس کو اس سے بڑا سمجھا یقیناً اس سے گھٹ گیا، دوسرے کو الزام دینے کا یہ نتیجہ ہوا۔  
اب بتلائیے یہ طریقہ مذکورہ صحیح ثابت ہوا یا یہ طریقہ آئندہ کہ ہر شخص ہر بات کو تحقیق کی نظر سے دیکھے، اور دوسرے کو الزام دینے سے قطع نظر کر لے۔  
اگر کسی بات میں دوسرے کو گھٹا ہوا دیکھا ہے تو اس وقت یہ سوچے کہ ہم بھی کسی بات میں اس سے گھٹے ہوئے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ ہر شخص میں کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور کچھ برائیاں بھی اگر اس شخص میں ایک برائی ہے تو ممکن ہے کہ ہم میں بہت سی برائیاں ہوں یا ایک ہی برائی ہو لیکن اس کی برائی سے بدتر ہو پھر کس طرح ہم اس کو گھٹا ہوا سمجھتے ہیں۔  
(وعظ السوق لاہل الشوق)

## ہمارے اکابر کا انداز فکر

### حضرت ذوالنون مصریؒ کا حال

حضرت ذوالنون مصریؒ سے لوگوں نے آ کر عرض کیا کہ حضرت دعاء فرمائیے کہ بارش ہو، فرمایا کہ میرے گناہوں کی وجہ سے بارش نہیں ہوتی، مجھ کو شہر سے نکال دو، ان حضرات کو جب کبھی گمان ہوا ہے تو یہی ہوا کہ ہماری بد اعمالیوں کی وجہ سے یہ مصیبت آئی ہے، ایک صاحب فرماتے تھے کہ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ انسان کے پاس دو تھیلے ہیں ایک آگے اور ایک پیچھے، آگے کے تھیلے میں اپنی بھلائیاں ہیں جو ہر وقت پیش نظر رہتی ہیں، اور پیچھے کے تھیلے میں دوسروں کی

بھلائیاں ہیں جو نظروں سے غائب ہیں (یہ ہمارا حال ہے) ارے ہم کو یہ غور کرنا چاہئے کہ کیا ان کے اندر کوئی خوبی کی بات نہیں ہے؟  
ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ بزرگ کیسا ہے؟ فرمایا: اچھا شاعر تھا، حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری ہمارے مجمع کے اکثر بزرگوں کے استاد تھے، ایک شخص نے گستاخانہ کلمات روبرو کہے، طلبہ نے چاہا کہ اس کی خبر لیں (مولانا نے) فرمایا کہ ارے اس کی ساری باتیں تو غلط نہیں، کچھ تو سچ بھی ہیں۔  
ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کسی نے تکفیر کی، حضرت نے سن کر برا نہیں مانا، اور یہ فرمایا کہ اگر میں عند اللہ مومن ہوں تو مجھ کو کسی کی تکفیر سے نقصان نہیں اور اگر خدا نخواستہ کافر ہوں تو برامانے کی کیا بات ہے، ذوق کے اشعار اسی مضمون کے ہیں۔

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق ہے برا وہی جو تجھ کو برا جانتا ہے اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے پھر برا کہنے سے کیوں اسکے برامانتا ہے دیکھئے یہ اشعار بالکل نثر سے معلوم ہوتے ہیں، کمال شاعری اسی کا نام ہے کہ پتہ بھی نہ لگے کہ نظم ہے یا نثر اور بالکل سچا مضمون ہے۔ ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ ذرا کوئی کچھ کہہ دے تو پھر دیکھئے چہرہ سرخ ہو جائے گا، رگیں پھول جائیں گی۔

### مولانا اسماعیل شہیدؒ کا حال

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ سے ایک شخص نے عام مجمع میں مولانا سے پوچھا کہ مولانا میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادہ ہیں، مولانا نے بہت متانت اور

نرمی سے فرمایا کہ کسی نے تم سے غلط کہا ہے، شریعت کا قاعدہ ہے ”الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ“ سو میرے والدین کے نکاح کے گواہ بڑے بوڑھے لوگ اب تک موجود ہیں، ایسی باتوں کا یقین نہیں کیا کرتے، وہ شخص پاؤں پر گر پڑا۔

اہل اللہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کی ذات کو جس قدر بھی کوئی برا کہے وہ اپنے کو اس سے بدتر جانتے ہیں۔ (عمل الذرة، ملحقہ آداب انسانیت ص ۵۱۹)

## بغض فی اللہ کا ایک امتحان

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے شخص! تجھ کو شیطان نے دھوکہ دے رکھا ہے اور یہ بہرہ کیا ہے کہ تو غضب فی اللہ کرتا ہے، اور اس کا امتحان یہ ہے کہ جیسے تم کو تمہاری بات رد کرنے یا تمہارے بیان کئے ہوئے مسئلہ کو رد کرنے سے غصہ آتا ہے، اگر یہی مسئلہ دوسرا عالم بیان کرے اور اس عالم میں اور تم میں مخالفت بھی ہو اور کوئی شخص اس کے مسئلہ میں مزاحمت کرے (اور اس کا رد کرے) تو دیکھو تمہارا جی خوش ہوتا ہے یا نہیں؟ غالب تو یہی ہے کہ تمہارا جی خوش ہوگا۔ اس سے تم خود فیصلہ کر لو کہ تمہارا یہ غضب فی اللہ تھا یا نہیں، اگر واقعی غضب فی اللہ تھا تو کیا وجہ ہے کہ تمہارے مخالف نے جب وہی مسئلہ بیان کیا اور اس سے کسی نے مزاحمت کی تو تم کو اس وقت کیوں حق کا رد کرنے کی وجہ سے ویسا جوش نہیں آیا (جیسا اپنے بیان کردہ مسئلہ کے رد کرنے میں آیا تھا) اس سے معلوم ہو گیا کہ تیرے اندر دین کی حمیت نہیں نفسانی جوش ہے، یہ ایک ایسا امتحان ہے کہ اس میں بہت کم پاس نکلیں گے، یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ اپنے کمالات پر نظر ہے، اور اپنے عیوب نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ (عمل الذرة ملحقہ آداب انسانیت ص ۵۲۰)

## باب ۵

### اتحاد و اتفاق اور الفت و محبت کے باطنی اسباب

### اتحاد و اتفاق اللہ تعالیٰ کے کرنے ہی سے پیدا ہوگا

اتفاق جو ایک ضروری شئی ہے اس کے لئے بھی اسباب ضروری ہیں، اور چونکہ وہ محمود و مطلوب ہے لہذا اس کے اسباب بھی قابل اہتمام ہوں گے، سو اس سبب کی ہمارے عقلاء نے تحقیق نہیں کی بلکہ جو اس کے اسباب نہیں ہیں ان کو سبب قرار دے دیا اسی لئے اتفاق قائم نہیں ہوتا، پس زیر بحث مسئلہ میں اس کی تحقیق و تفتیش ضروری ہے کہ اتفاق کا سبب کیا ہے تاکہ اس کو اختیار کرنے سے اتفاق پیدا ہو۔

سو اس کی تفتیش میں ہم کو بفضلہ تعالیٰ دوسروں کی تقلید کی ضرورت نہیں، ہمارے پاس تو قرآن ہے اس میں اس کے متعلق ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي آيَدُكَ بِنُصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ، وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ  
لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا لَآلَفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ آلَفَ  
بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ • (سورہ انفال پ ۱۰)

(ترجمہ) یعنی خدا تعالیٰ کی وہ شان ہے اے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اس نے اپنی مدد اور مؤمنین سے آپ کو قوت دی، اور ان کے دلوں میں باہم الفت ڈال دی، اگر آپ روئے زمین کا تمام مال خرچ کرتے تو آپ ان کے قلوب میں الفت نہ ڈال سکتے۔ لیکن اللہ ہی نے ان کے درمیان الفت ڈال دی بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

دیکھئے! جہاں حضور جیسے مدبر عاقل، حکیم دوراندریش ہوں کہ جن کے عقل کے کامل ہونے پر تمام دنیا والوں کا اتفاق ہو، اور تدبیر یہ کہ تمام روئے زمین کے خزانے اتفاق کے لئے خرچ کریں (اس کے بعد بھی) نتیجہ کیا ہے؟ مَا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ (کہ اے محمد آپ باہم الفت پیدا نہیں کر سکتے) اس سے کیا پتہ چلتا ہے؟ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری اسباب جیسے کوئی اسلامی فنڈ قائم کرنا، لکچر دینا، رسالوں میں اتفاق کے مضامین شائع کرنا، اس سے اتفاق پیدا نہیں ہوتا، وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلَفَ بَيْنَهُمْ (لیکن اللہ نے ان میں باہم الفت پیدا کر دی) سے معلوم ہوتا ہے کہ اتفاق کا مدار یہ ہے کہ خدا تعالیٰ دلوں میں الفت پیدا کر دیتے ہیں۔ آپ مجھ کو چاہیں میں آپ کو چاہوں، ہر ایک دوسرے کو محبوب ہو۔

(الاتفاق ملحقہ آداب انسانیت ص ۲۲۵)

## حق تعالیٰ باہم الفت و محبت کیسے فرمادیتے ہیں؟

اب یہ بات رہی کہ باہم الفت و محبت حق تعالیٰ کس طرح پیدا کر دیتے ہیں؟ اس کا سبب کیا ہے؟ یہ بھی حق تعالیٰ ہی سے پوچھو، چنانچہ اس محبت پیدا کرنے کے واسطے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے جو میں نے تلاوت کی ہے وہ یہ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا.

(سورہ کہف پ ۱۶)

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ”پیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دیں گے“  
یعنی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے اللہ تعالیٰ ایک وعدہ فرماتے ہیں

اور وعدہ بھی قریب کا، گو یہ آخرت کا وعدہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ آخرت بھی قریب ہی ہے۔ مگر لفظ سیب جعل کے س سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ دنیا کا وعدہ ہے کیونکہ متعارف قرب دنیا ہی کو ہے، چنانچہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کام جلدی ہو جائیگا تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ بہت جلد ہو جائے گا، پس ہم کو قواعد لسانیہ کی بنا پر یہ حق حاصل ہے کہ جس شئی کے متعلق حق تعالیٰ جلدی ہو جانے کا وعدہ فرمادیں اس کو دنیا کے وعدہ پر اور دنیا میں بھی بہت جلد حاصل ہو جانے پر محمول کر لیں۔ بہر حال ایمان اور عمل صالح پر وڈا کا وعدہ ہے جس کا نام محبت ہے۔

آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کی یہ خاصیت بیان فرمائی ہے کہ اس کے اختیار کرنے والے دلوں میں محبوب ہو جاتے ہیں۔

پس جب کہ ایک جماعت کی جماعت ایمان اور عمل صالح اختیار کرے گی تو ان میں ایسا اتفاق پیدا ہوگا کہ کبھی نہ جائے گا، پس اتفاق و اتحاد کا اصلی سبب ایمان اور عمل صالح ٹھہرا۔

اب فرمائیے کہ دنیا میں کتنے عقلمند ہیں جنہوں نے یہ راز سمجھا ہو، ہاں اتفاق اتفاق سب گاتے ہیں، میں تو یہ کہتا ہوں کہ اتفاق کا نام بھی نہ لو مگر ایمان اور عمل صالح اختیار کر لیجئے ضرور اتفاق پیدا ہو جائے گا۔ آپ کو اس کی ضرورت نہیں کہ آپ لکچر دیں یا مضمون لکھیں اور پھر اتفاق بھی ایسا ہوگا کہ مرنے تک اور مرنے کے بعد جنت میں بھی نہ جائے گا، اور دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ یہی ہے وہ محبت جو (صحابہ کے درمیان باہم پائی جاتی تھی اور یہی وہ محبت ہے جو) قائم رہنے والی ہے، باقی محبتیں سب زائل ہونے والی ہیں۔

(الاتفاق ملحقہ آداب انسانیت ص ۴۱۹، ۵۱۹)

## اتحاد و محبوبیت ایمان و عمل صالح میں منحصر ہے

محبوبیت ایمان اور اعمال صالحہ میں منحصر ہے (جیسا کہ گذشتہ بیان سے معلوم ہو چکا) اس سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو لوگ اتفاق اتفاق پکارتے ہیں اور شریعت کے خلاف کام کرتے ہیں، ان کو آج تک تو کامیابی ہوئی نہیں۔

اور اگر کوئی کہے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بعض جگہ ان میں اتفاق ہے، تو صاحبو! وہ اتفاق نہیں اس لئے کہ آپ پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اتفاق ہوتا ہے باہمی الفت سے اور ان میں الفت نہیں وہ تو عارضی اور صورتہ اتفاق ہے جو بہت جلدی زائل ہوتا ہے کیونکہ اس اتفاق کا منشاء اتحاد اغراض ہے (یعنی سب کی غرض ایک ہے) جب تک اغراض متحد ہوتے ہیں وہ اتفاق کا ڈھانچہ قائم رہتا ہے اور جب اغراض میں اختلاف ہوتا ہے فوراً وہ اتفاق ٹوٹ جاتا ہے۔

بخلاف مؤمن کے اتفاق کے اس لئے کہ اس کی غرض اور مطلوب ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہے اور اس میں تزام (مقابلہ و مزاحمت) کا احتمال ہی نہیں۔ اس لئے اس کا اتفاق قائم رہتا ہے۔ دو مؤمن اگر جنوب و شمال میں بھی ہیں اور ان میں پہلے سے کوئی تعلقات بھی نہیں ان میں بھی باہم اتفاق ہوتا ہے پس عقلی طور پر ثابت ہو گیا کہ اتفاق اگر ہے تو مؤمنین میں ہے اور اگر باقی رہ سکتا ہے تو ان ہی کا اتفاق باقی رہ سکتا ہے۔ (الاتفاق ص ۴۶۶)

## ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے محبت پیدا ہوتی ہے

محبوبیت کا مدار ایمان اور عمل صالح ہے، مجھے اس دعویٰ پر دلائل قائم کرنے

کی ضرورت نہیں اسلئے کہ جب میں مشاہدہ کر رہا ہوں تو دلیل کی اب کیا ضرورت ہے، مگر تبرعاً اس کی وجہ بھی بتاتا ہوں کہ ایمان و عمل صالح کی وجہ سے محبت کیوں ہوتی ہے؟

اصل وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خاصیت ہی یہ رکھ دی ہے جیسے بعض دواؤں میں خاص تاثر ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی ہے، لیکن یہ زمانہ تحقیقات کا ہے اس لئے اس پر اکتفا نہ کیا جائے گا اس لئے میں اس کی دو وجہ بیان کرتا ہوں ایک ظاہری اور ایک باطنی۔

## محبت کا باطنی سبب

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ تمام ملائکہ میں پکار دو کہ فلاں بندہ سے ہم کو محبت ہے تم بھی اس کو دوست رکھو، پھر حکم ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی پکار دو، چنانچہ زمین میں یہ اعلان کیا جاتا ہے فیوض لہ القبول فی الارض پس وہ سب کی نظروں میں مقبول ہوتا ہے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استشہاد میں (یعنی دلیل کے طور پر) یہی آیت پڑھی "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا" (پا ۱۶ مریم)

(ترجمہ) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔

(اس موقع پر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آیت پڑھنا صریح دلیل ہے کہ میرا اس مضمون کو اس آیت سے استنباط کرنا صحیح ہے۔

تنبیہ! اگر کوئی کہے کہ ہم کو تو کسی کے متعلق اعلان کی خبر نہیں تو سنیے بات یہ ہے کہ فرشتوں کا اعلان قلوب میں ہوتا ہے اور وہ یہی ہے کہ اس کی محبت قلوب میں پڑ جاتی ہے۔ (الاتفاق ص ۲۳۹)

## محبت کا دوسرا باطنی راز

دوسرا باطنی راز یہ ہے کہ محبت کا محل قلب ہے اور قلوب حق تعالیٰ کے قبضے میں ہیں اور جب وہ قلوب میں کسی کی محبت پیدا کرنا چاہیں گے بلاضطرار (مجبور ہو کر) اس کے سامنے جھک جانا ہی پڑے گا، اس کے سامنے پھر کسی کا حوصلہ نہیں ہے کہ ٹیڑھا چلے۔

(حکایت) ایک مقام پر ایک بزرگ سے کوئی شخص الجھا، دونوں طرف خشک خشک جواب ہوئے، ان بزرگ کے پاس سے وہ شخص پچاس قدم بھی نہ گیا ہوگا کہ دل میں ایک چوٹ سی لگی اور قدم آگے نہ بڑھا اور واپس آ کر ہاتھ جوڑے کہ خدا کے واسطے میرا قصور معاف کر دو، اور یہ کہا کہ خدا جانے مجھ کو کیا ہو گیا کہ میں قدم آگے بڑھاتا تھا اور وہ پیچھے کو ہٹتا تھا، وہ بات کیا تھی؟ یہ نہیں کہ ان بزرگ نے کچھ تصرف کر دیا ہو بلکہ اس پر ایک سرکاری پیادہ مسلط ہو گیا اور کشاں کشاں اس کو پکڑ لیا۔

غرض ان بزرگ نے جب قصور معاف کیا اس وقت وہ گیا، اس سے معلوم ہوا کہ قلب میں کوئی بات خدا تعالیٰ پیدا کر دیتے ہیں۔ غرض (ایمان و عمل صالح کی وجہ سے محبوبیت کا) باطنی راز تو یہ ہے۔

(الاتفاق آداب انسانیت ص ۲۵)

## اعمال صالحہ کی وجہ سے محبوبیت کیوں ہو جاتی ہے؟

اور ایمان و عمل صالح اور خدا تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے محبوبیت کا ظاہری راز یہ ہے کہ محبت کے کل تین سبب ہوا کرتے ہیں نوال، کمال، جمال۔

یعنی عطاء و احسان محبت کا سبب ہوتا ہے چنانچہ محسن سے اسی بنا پر محبت ہوتی ہے، اور عطاء ہی میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کی خطا معاف کر دی جائے، یا کسی کا کام کر دیا جائے، کسی کی بے ہودگی (اور غلطی) کو درگزر کر دیا جائے۔

اور کبھی کمال کی وجہ سے محبت ہوتی ہے خواہ کمال علمی ہو یا عملی یا اخلاقی، مثلاً اہل علم سے محبت اسی واسطے ہوتی ہے کہ ان میں کمال علم ہے اگرچہ اس کے علم سے اپنے کو بھی نفع نہ ہو، اور جیسے حاتم کی سخاوت سن کر اس کی طرف ایک میلان ہوتا ہے اور جیسے رستم سے اسی واسطے محبت ہے کہ اس میں شجاعت (بہادری) کا کمال ہے۔

مجھ کو یاد ہے کہ بچپن میں اردو شاہنامہ دیکھا کرتا تھا جب کسی لڑائی کا قصہ آتا تو جی سے تمنا ہوتی تھی کہ خدا کرے یہ لکھا ہو کہ رستم جیت گیا حالانکہ اگر وہ جیت گیا یا ہار گیا تو ہم کو کیا نفع ہے، مگر اس کے کمال کی وجہ سے کان اس بات کو نہیں سن سکتے تھے کہ ہار گیا، تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کے اندر شجاعت (بہادری) کا کمال تھا۔

اور اس زمانہ میں جو بہت سے لڑائی کے واقعات ہوئے تو مسلمانوں کے غلبہ کو سن کر مسلمانوں کا دل تو خوش ہوتا ہی تھا مگر بہت سے ہندوؤں کو بھی دیکھا کہ وہ ان کے غلبہ کو سن کر خوش ہوتے تھے اس کا سبب بھی وہی کمال شجاعت کی وجہ سے

محبت ہے، اور اس کے علاوہ ترکوں سے محبت کا ایک سبب ان کی مظلومیت بھی تھی کہ یہ بھی کمال میں داخل ہے، اس لئے کہ کمال یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے اور جب اس پر ظلم ہو تو مستقل رہے۔ (یعنی حق پر ثابت قدم رہے)

محبت کا تیسرا سبب جمال ہوتا ہے جیسے کوئی حسین و جمیل ہے اس سے طبعی طور پر محبت ہوتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ گورے چٹے کو جمیل نہیں کہتے، یہ تو پوست پرستوں کا مذہب ہے کہ ان کے یہاں محبت جمال صورت ہی سے ہے۔

عقلاء کے نزدیک اصلی جمال یہ ہے کہ اخلاق میں تناسب اور اعتدال ہو، اور اسی سے قلوب کو کشش ہوتی ہے، اگر اس کے ساتھ صورت بھی کچھ اچھی ہو تو بہت ہی کچھ کشش ہوتی ہے، محبت کے طبعی اسباب یہ ہیں۔

اب دیکھئے شریعت کی اتباع کرنے والوں میں یہ امور کس درجہ کے ہوتے ہیں کیونکہ خود شریعت کی تعلیم ہی ان کی جامع ہے۔

چنانچہ نوال (عطاء و بخشش) کی تو یہ کیفیت ہے کہ ایثار، جود، کرم، عطاء، انسان ہی کے ساتھ نہیں بلکہ جانوروں تک کے ساتھ کرنے کا حکم فرمایا (جو بزرگوں میں پایا جاتا ہے)

اب کمال کو لیجئے! بڑا کمال علم ہے، شریعت میں اس کے حاصل کرنے کی بہت ہی تاکید ہے، سخاوت اور شجاعت بھی کمال ہے، شریعت نے ان دونوں کا بھی ایسا اہتمام کیا ہے کہ کوئی اس کی نظیر نہیں دکھلا سکتا۔

اب رہ گیا جمال تو اس کا مدار ہے اخلاق پر اس لئے کہ اخلاق جمیلہ میں جو کشش ہے حسن صورت میں اس قدر نہیں ہے۔ اگر کسی میں اخلاق جمیلہ (اچھے

اخلاق) ہوں اگرچہ شکل و صورت سے حسین نہ ہو مگر اس کے اندر ایک دلربائی، چہرہ پر حلاوت اور نور ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے حسینوں میں وہ بات نہیں ہوتی، سوا اعمال صالحہ میں یہ خاصیت بھی ہے کہ جمال بڑھ جاتا ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں سَيَمَاهُمُ فِي وُجُوهِهِمْ مِّنْ آثَرِ الشُّجُودِ۔ (ان کی علامتیں سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں)

اور اگر کسی کی سیرت اچھی نہ ہو تو (محض صورت کی بنا پر) بعض کو تو اس سے محبت ہی نہ ہوگی، اور اگر کسی کو ہوگی تو کامل نہ ہوگی ضعیف ہوگی یا جلدی زائل ہو جائے گی، یعنی جب یہ حسن جاتا رہے گا تو محبوبیت بھی جاتی رہے گی، اور حسن سیرت کی وجہ سے جو محبوبیت ہوگی وہ مدت العمر باقی رہے گی۔

(الاتفاق، آداب انسانیت ص ۲۵۱، ۲۵۲)

## محبوبیت کے لئے تمام اسباب محبت کا جمع ہونا ضروری نہیں

محبوبیت کے لئے مجموعہ اسباب (یعنی اتحاد و اتفاق کے تمام اسباب) کا جمع ہونا ضروری نہیں، اگر مومن اور عمل صالح کرنے والے میں جمال نہ بھی ہو تب بھی دوسرے اسباب تو قوت کے ساتھ موجود ہیں وہ بھی محبوبیت کے لئے کافی ہیں۔

اور اگر کسی کافر میں محبوبیت پائی جائے تو اگر وہ اسلامی اخلاق میں سے کسی خلق کے پائے جانے سے ہے تب تو اس کا سبب وہی عمل صالح ہے۔

باقی یہ بات کہ (آیت میں) پھر مومن کی کیا تخصیص ہوئی، اس کی تحقیق یہ ہے کہ وہ خلق (وصف) غیر مومن میں اس کمال کے ساتھ ہرگز نہ پایا جائے گا جیسا

کہ مومن میں (پایا جاتا ہے) کیونکہ مومن میں اس کا مقتضی مضبوط ہوگا یعنی ابتغاء مرضات حق (اللہ تعالیٰ کی رضامندی) جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ بخلاف کافر کے کہ اس کا جو منشاء ہوگا وہ تبدیل ہو سکتا ہے اور اس کے بدلنے سے وہ خلق بھی تبدیل ہو سکتا ہے۔ پس کمال محبوبیت مومن ہی میں رہی۔

اور اگر اخلاق کے علاوہ اور کوئی امر محبوبیت کا ہے جیسے حسن صورت وغیرہ تو وہ عام محبوبیت کا سبب نہ ہوگا، بخلاف شریعت کی تعلیم کردہ اسباب کے کہ اس میں یہ اثر عام ہے۔

(الاتفاق لمحققہ آداب انسانیت ص ۲۵۴)

## اختلاف کا باطنی سبب

### حق تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے

اس پر اس کی ضد کو قیاس کر لیجئے کہ بغض و عداوت (اور باہمی اختلاف) جب ہوگا شریعت کے خلاف کرنے سے ہوگا، اور بغض اگر قائم رہنے والا ہے تو وہ ان (بددینوں) ہی میں ہے جو ایمان اور عمل صالح میں خلل ڈالتے ہیں، پھر بھی مؤمنین میں جتنا بھی ایمان ہے اسی مقدار کے موافق ان میں باہم مودت و محبت لازم ہے (جیسا کہ مشاہدہ ہے) پس اگر آپ محبوب بننا چاہتے ہیں اور اپنے آپ میں اتفاق قائم رکھنا چاہتے ہیں تو خدا و رسول کی اطاعت کیجئے، ورنہ مبعوضیت (باہمی نفرت و عداوت اور اختلاف) کے لئے تیار ہو جائیے۔

لیکن خدا کے لئے ایمان اور عمل صالح کو اس نیت سے نہ کیجئے کہ ہم محبوب بنیں بلکہ ارادہ تو حق تعالیٰ کی اطاعت کا ہونا چاہئے، ہاں اس پر یہ ثمرہ (اور نتیجہ)

بھی مرتب ہو جاتا ہے۔ جیسے جب خانہ کعبہ کا ارادہ ہو تو بمبئی (دہلی) کی سیر کا ارادہ نہ کرو، نیت تو ہونا چاہئے حج کی ہاں راستہ میں بمبئی (یا دہلی) بھی آئے گا اور سیر بھی کر لو گے۔

الغرض اتحاد و اتفاق کے اسباب حق تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے اور نا اتفاق و اختلاف کے اسباب حق تعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

(الاتفاق ص ۲۶۸ آداب انسانیت)

## اسلامی احکام پر عمل کرو، حقوق کی ادائیگی کرو

### یقیناً اتحاد پیدا ہو جائے گا

پس ہمیں کسی سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم آپ سے اتحاد کرنا چاہتے ہیں، یا ہم کو آپ سے ہمدردی ہے بلکہ کفار پڑوسی کے ساتھ تم اسلامی تعلیم کے موافق عمل شروع کر دو وہ خود آپ سے متحد ہو جائیں گے اور آپ کی محبت و عظمت ان کے قلوب میں پیدا ہو جائے گی۔

نہ اس کی ضرورت ہے کہ تم احکام شرعیہ میں ترمیم کرو، نہ اس کی ضرورت ہے کہ جلسوں میں ان کو مدعو کر کے خوشامد کے الفاظ کہو، بلکہ عمل کی ضرورت ہے اور معاملہ درست کرنے کی بگر عمل میں ہماری یہ حالت ہے کہ مسلمانوں سے بھی ہمارا برتاؤ اچھا نہیں کفار سے تو کیا اچھا ہوتا، پھر یہ زبانی باتیں کب تک چلیں گی۔

(بالاخوة، التبلیغ ص ۱۲۰ ج ۱۳)

## نماز و روزہ کو بھی اتحاد و اتفاق اور محبوبیت میں بڑا دخل ہے

اب رہی یہ بات کہ ایمان اور نماز روزہ کو محبوبیت میں کیا دخل ہے؟ سوا اس کے متعلق سنو کہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ کوئی بھی کام ہو پہلے اس کا قلب میں ارادہ پیدا ہوتا ہے، پھر اس کا جوارح سے ظہور ہوتا ہے، اور یہ بھی مسلم ہے کہ کسی امر پر نباہ (اور پابندی) اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ قلب میں اس کا شدید تقاضا راسخ ہو جائے، اور اس کے اضداد و موانع (یعنی مخالف اسباب) قلب سے دور ہو جائیں ورنہ غیر راسخ ارادہ ہوگا، اور جب ارادہ راسخ (اور پختہ) نہ ہوگا تو عمل بھی نہ ہوگا، پس ثابت ہوا کہ مداومت (پابندی) اور استقامت قلب کے تقاضے کے بغیر نہیں ہوتی، پس اس قاعدہ کے موافق اخلاق و معاملات و معاشرت کی درستگی بھی (جس کا ذخیل ہونا محبوبیت میں مسلم ہو چکا ہے) اسی وقت ہو سکتی ہے کہ ان چیزوں کا قلب میں تقاضا و رسوخ ہو اور وہ تقاضا و رسوخ ایمان و نماز اور روزہ کے بغیر نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ معاملات و معاشرت کے تمام قواعد اللہ و رسول ہی نے ہم کو تعلیم فرمائے ہیں تو جب تک اللہ و رسول کی تصدیق قلب میں راسخ نہ ہوگی تو ان تعلیمات پر استقامت نہ ہوگی یہ تو ایمان کا دخل ہوا۔

اور (محبوبیت میں) روزہ نماز کو اس طرح دخل ہے کہ قلبی تقاضے کی یہ کیفیت قلب کی صفائی پر موقوف ہے اور قلب کی صفائی بغیر نماز روزہ کے نہیں ہوتی، روزہ تو اس طرح کہ اس سے قوت بہیمیہ ٹوٹی ہے، اور نماز سے تواضع پیدا ہوتی ہے، تکبر ٹوٹتا ہے، اور بہت سے اخلاق ذمیمہ کی اصل تکبر اور قوت بہیمیہ ہی ہے، پس نماز روزہ سے اس کی اصلاح ہوگی، اور اس کی اصلاح سے معاملات

و غیرہ درست ہوں گے جو محبوبیت کا مدار ہے، پس نماز روزہ بھی محبوبیت کا سبب ہوا۔  
(الاتفاق، آداب انسانیت ص ۴۶۱)

## پیر و مرشد اور بزرگوں سے اس قدر محبت کا راز

دیکھئے پیر سے جو محبت ہوتی ہے وہ کیسی ہوتی ہے کہ کبھی نہیں جاتی، آخر پیر میں کیاشئی ہے کہ اس سے ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ اگر وہ جان بھی مانگے اس سے بھی انکار نہیں، اس کا کیا سبب ہے؟ اس کا سبب وہی ایمان اور عمل صالح ہے چونکہ اس ایمان اور عمل صالح سے یہ اعتقاد ہے کہ یہ حق تعالیٰ کا مقرب ہے اس لئے طبعاً اس کی محبت ہوتی ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات پیر اس سے ناخوش بھی ہوتا ہے، مارتا بھی ہے، کبھی کبھی نکال بھی دیتا ہے اور طرح طرح کی خدمتیں لیتا ہے مگر ان کی کیفیت یہ ہے کہ بچھے جاتے ہیں مرے جاتے ہیں، یہ نمونہ آنکھوں سے دیکھ لیجئے، اس قدر محبت کا منشاء صرف یہی امر ہے کہ اس کو اللہ والا اور بلفظ دیگر کامل الایمان کامل العمل سمجھتے ہیں۔

حضرت (حاجی امداد اللہ صاحبؒ) فرماتے تھے کہ ایک مولوی صاحب فرماتے تھے کہ خدا جانے یہ فقیر کیا گھول کر پلا دیتے ہیں، ہم طالب علموں کو کھلاتے ہیں پہناتے ہیں سبق پڑھاتے ہیں، کتاب اپنے پاس سے دیتے ہیں، ان کے تمام ناز و نخرے اٹھاتے ہیں اور جب پڑھ لکھ کر چلے جاتے ہیں تو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ اور ان فقیروں کے پاس جو آتا ہے (وہ فقیر) منہ سے بولتے تک نہیں وہ خانقاہ میں پڑے ہیں اور ان کی خبر بھی نہیں ہے، (لیکن اس کے باوجود) کبھی شاہ صاحب ہنس پڑے تو (مرید) کی عید ہوگئی، مرید صاحب پیر صاحب کے ہنسنے پر

پھولے لہنیں سماتے، اور برسوں کے بعد اگر کچھ بات چیت کر لی تو بہت ہی خوش ہیں۔ غرض خدا جانے کیا پلا دیتے ہیں کہ وہ ان ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ حضرت ان کے پاس ایک مقناطیس ہے وہ اس سے جذب کرتے ہیں وہ مقناطیس کیا ہے؟ وہی خدا تعالیٰ کی اطاعت (ایمان اور عمل صالح) معلوم ہوا کہ محبوبیت کا مدار ایمان اور عمل ہی ہے۔ (الاتفاق ص ۴۳۷، ۴۳۸)

## خلوص والی محبت اور دوستی کبھی ختم نہیں ہوتی

اہل اللہ کی زندگی بھی کیسی لطف کی زندگی ہے، ان کی محبت اہل دنیا کی سی محبت نہیں ہوتی کہ ذرا سی بات میں ختم ہو جائے کیونکہ ان کی محبت دنیا کے واسطے نہیں ہوتی جس میں تغیر لازم ہے، ہاں اہل دنیا کی محبت بیشک دنیا کی وجہ سے ہوتی ہے جب تک وہ حاصل رہی محبت رہی اور جب اس میں فرق آیا محبت میں بھی فرق آگیا، بلکہ اہل اللہ کی محبت دنیا کے ختم ہو جانے اور مر جانے سے بھی ختم نہیں ہوتی کیونکہ جس کی وجہ سے ان میں باہم محبت ہے جب تک وہ باقی ہے محبت بھی وہی چاہئے اور آپ جانتے ہیں وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے تم میں باہم محبت ہے وہ اللہ سبحانہ کی ذات ہے، جب ان کی محبت اللہ واسطے ہے تو جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات کو فنا نہیں ایسے ہی ان کی محبت کو بھی فنا نہیں۔

اہل محبت کی زندگی کیا اچھی زندگی ہے، غریبی ہو یا امیری ہر حالت میں بادشاہوں سے بھی زیادہ عیش کے ساتھ گذرتی ہے، جہاں ایک دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے تو وہ کونسا عیش ہے جو ان کو نصیب نہ ہوگا۔

(وعظ ذم المکروہات ملحقہ اصلاح اعمال ص: ۳۹۰)

## ایک اعتراض اور اس کا جواب

### لوگ نیک اور دیندار شخص کے مخالف کیوں ہوتے ہیں؟

اب ایک اعتراض باقی رہا وہ یہ کہ ایک مؤمن جو شریعت کا پورا پابند ہے اس کا کسی سے مقدمہ ہو اور اس میں وہ مؤمن ہی حق پر ہو تب بھی فریق مخالف اس کو نظر غیظ (یعنی نفرت اور غصہ کی نگاہ) سے دیکھتا ہے، محبت کی نگاہ سے ہرگز نہیں دیکھتا تو اب وہ دینداری کا خاصہ کہاں گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر شئی کی خاصیت کے ظاہر ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی معارض (یعنی خلاف) نہ ہو اگر اس کا کوئی معارض (مقابل) ہو تو یوں کہیں گے کہ شئی اپنے اثر سے مختلف ہوگئی، تو یہاں یہ معارض ہے کہ اس کو اس کے خیال میں نقصان پہنچ رہا ہے اس لئے یہ شخص اگر غصہ اور نفرت کی نگاہ سے دیکھے تو ہمارے دعوے کے کچھ منافی نہیں ہے، ہاں عام طور سے دیکھو کہ دوسرے لوگ کس نظر سے دیکھتے ہیں سو یقینی بات ہے کہ ایسے موقع پر عام طور پر سب ہی چاہا کرتے ہیں کہ خدا کرے یہ جیت جائے۔

اسی طرح اگر کافر مظلوم ہو تو سب کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کو کامیابی ہو، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفر محبت کا سبب ہے بلکہ یہاں اس کی مظلومیت اس کی مبغوضیت (نفرت) کے معارض (مقابل) ہو رہی ہے ورنہ دراصل وہ مبغوض (قابل نفرت) ہی ہے پس خلاصہ یہ ہوا کہ محبوبیت ایمان اور اعمال صالحہ میں منحصر ہے۔

(الاتفاق، آداب انسانیت ص ۴۶۶)

## ایک اور اشکال اور اس کا جواب

بددینوں میں اتحاد اور محبوبیت کی شان کیوں ہو جاتی ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ بعض لوگ دیندار بھی نہیں ہوتے اور پھر بھی وہ محبوب ہوتے ہیں، تو پھر محبوبیت میں صرف دینداری کی کیا خصوصیت رہی؟ میں اس کا راز بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب کوئی محبوب ہو اور دیندار نہ ہو تو یہ دیکھو کہ اس کے محبوب ہونے کی علت کیا ہے؟ سو اس کی علت اکثر تو وہی شئی نکلے گی جس کا شریعت نے حکم کیا ہے مثلاً کوئی کافر سخی ہے یا عادل ہے تو اس سے اس کی سخاوت اور عدل کی وجہ سے محبت ہوتی ہے، اور سخاوت اور عدل دونوں کی شریعت نے تعلیم کی ہے، کفر کے ساتھ مل کر بھی انہوں نے اپنا اثر دکھلایا ہے (غور کیجئے!) اعمال شرعیہ کفر کی نجاست کی آلودگی کے ساتھ بھی جب اپنا کام کر رہے ہیں اگر ایمان کے ساتھ ملیں گے تو دیکھو کیا رنگ لاتے ہیں، ایک جواب تو یہ ہوا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ محبوبیت مطلقہ من کل الوجوہ (یعنی مطلق محبت جو ہر پہلو سے ہو اس کے متعلق) گفتگو ہے، ہر شخص کے نزدیک محبوب بنا دے یہ بجز مومن کامل کے کسی کو نصیب نہیں، اگر کوئی کافر کسی خلق حسن (یعنی اچھی عادت اور کسی خوبی) سے متصف ہے تو وہ بعض کے نزدیک محبوب ہے، اور بعض کے نزدیک نہیں، بلکہ کفر یا اس کے بعض برے اخلاق کی وجہ سے مبعوض (قابل نفرت) ہے اب شبہ جاتا رہا، اور اگر حسن (خوبصورتی) وغیرہ علت ہو تو اس کا جواب اوپر آچکا ہے۔

(الاتفاق، آداب انسانیت ص ۴۶۵)

تبلیغ کرنے اور نصیحت کرنے والوں سے

لوگ کیوں نفرت کرتے ہیں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم بعض دینداروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ شریعت کی پوری پابندی کرتے ہیں اور ساری دنیا کو نصیحت کرتے ہیں (امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے ہیں) لیکن سب سے ان کی لڑائی رہتی ہے، لوگ ان کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے ہیں وہاں محبوبیت کا ثمرہ کیوں نہیں ظاہر ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ سوال کم فہمی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ صاحبو! نصیحت کا بھی شارع نے قانون مقرر کیا ہے جب کوئی شخص اس قانون کے خلاف کرے گا تو وہ کمال ایمان و عمل صالح کے اس ثمرہ سے یعنی محبوبیت و مودت سے محروم رہے گا، اس سے وہ شبہ جاتا رہا، اور وہ قانون یہ ہے کہ نصیحت خیر خواہی اور محبت اور ہمدردی سے ہو، نفسانیت کا اس میں شائبہ نہ ہو، تو جو شخص اس قانون کے موافق عمل کرے گا اس کی کسی سے مخالفت ہو ہی نہیں سکتی۔

www.alislahonline.com

(الاتفاق، آداب انسانیت ص ۴۶۲)

اتحاد و اتفاق کی اصل تواضع ہے

حضرت حاجی (مد اللہ) صاحب فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اتفاق اتفاق پکارتے پھرتے ہیں مگر اتفاق کی جو اصل ہے اس سے بہت دور ہیں اتفاق کی اصل تواضع ہے، جن دو شخصوں میں تواضع ہوگی ان میں نا اتفاقی نہیں ہو سکتی اور تواضع کی ضد تکبر ہے، جہاں تکبر ہوگا وہاں اتفاق نہیں ہو سکتا، اب لوگ ہر بات میں تکبر کو

اختیار کرتے ہیں اور زبان سے اتفاق اتفاق پکارتے ہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے، اگر واقعی دونوں تو واضح سے کام لیں تو اتفاق قائم رہے، اور تو واضح جب ہوتی ہے جب کہ حُبِّ مال و جاہ نہ ہو، اور جہاں مال و جاہ کا دخل ہوگا وہاں تراحم ضرور ہوگا، حُبِّ جاہ و حُبِّ مال (عزت اور مال کی محبت و خواہش) فساد کی جڑ ہے اگر یہ نہ ہو تو خدا کی قسم کبھی تراحم نہ ہو۔ (السوق لابن الشوق ص ۳۴)

آج کل جو تقریروں میں کہا جاتا ہے کہ اتفاق کرو، اتفاق کرو، اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ سب میرے ساتھ اتفاق کریں ہر شخص اپنی رائے پر اتفاق کی دعوت دیتا ہے، اور اس طرح قیامت تک اتفاق نہیں ہو سکتا، بلکہ اتفاق قائم کرنے کی صورت یہ ہے کہ ہر شخص اس بات کے لئے آمادہ ہو کہ اگر کوئی میری اتباع نہ کرے گا تو میں اس کی اتباع کروں گا، بشرطیکہ خلاف شرع کام نہ کرے، اتفاق کی جڑ تو واضح ہے اس کے بغیر اتفاق نہیں ہو سکتا، اتفاق تو محض تو واضح ہی سے ہوگا کہ ہر شخص دوسرے کی موافقت اور تقلید کے لئے تیار ہو ورنہ اتفاق دشوار ہے، اور اگر ہوا بھی تو محض زبانی اور کاغذی ہوگا۔

(الارتباط، ارشادات حکیم الامت ص ۵۰۷، ۵۱۱)

اختلاف اور نفرت کی بنیاد تکبر ہے، اختلاف ہمیشہ نفسانیت اور ترفع (یعنی اپنے کو برتر سمجھنے) سے ہوتا ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب مرشد نافرمایا کرتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تو واضح ہے، دو متکبروں میں کبھی اتفاق نہیں ہوتا، جب کسی شخص میں تو واضح ہوتی ہے تو اس کو یہ مشکل معلوم نہیں ہوتا کہ اپنے آپ کو دوسرے کا تابع بنا دے اور اپنی رائے پر دوسرے کی رائے کے مقابلہ میں اصرار نہ کرے اور متکبر سے یہ کام کبھی نہیں ہوتا۔

(خلاصہ یہ کہ) اتفاق کی جڑ تو واضح ہے جو لوگ متواضع ہوں گے (ان میں) آپس میں نزاع (جھگڑا) ہو ہی نہیں سکتا۔ اور تو واضح کے بغیر کبھی اتفاق پیدا نہیں ہو سکتا۔ (مجالس حکیم الامت ص ۲۷۸، ۹۸)

پس جو لوگ اتفاق کے طالب ہیں، اور میل جول کرنا چاہتے ہیں ان کو پہلے اپنے اندر تو واضح پیدا کرنا چاہئے، اور تو واضح حاصل کرنے کے لئے کسی کامل کے قدموں میں پامال ہونے کی ضرورت ہے، خلاصہ یہ کہ اتفاق کا مدار تو واضح پر ہے اور تو واضح موقوف ہے اصلاح نفس پر اور اصلاح نفس موقوف ہے شیخ کامل کی صحبت پر، یا کم از کم عدم انکار ہی ہو کہ ان کی غیبت و شکایت تو نہ کیا کرے۔

(اصلاح ذات البین، آداب انسانیت ص ۴۱۲، ۴۱۳)

## تواضع کی حقیقت

اللہ کے واسطے تواضع اختیار کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ حقیقت میں وہ شخص اپنے کو لاشئ سمجھے، اور ہیچ سمجھ کر تواضع کرے، اور اپنے کو نفع (بلندی) کا اہل نہ سمجھے اور ہیچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے۔

بخدا اقرار خطا (یعنی اپنی غلطی تسلیم کرنے اور تواضع اختیار کرنے) سے اور عزت بڑھ جاتی ہے، کچھ نہ ہو تو یہ تو ضرور ہی ہے کہ اقرار خطا میں خدا کی رضا ضرور ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۷۲ ج ۲)

اتحاد و اتفاق کی جڑ تو واضح اور تواضع کی اصل مجاہدہ نفس ہے کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے خاکسار، نیاز مند، ذرہ بے مقدار، (حقیر سراپا تقصیر) کہہ دیا بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو ذرہ بے مقدار، اور خاکسار سمجھ کر برا بھلا

کہے، اور حقیر و ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا ہو اور (اس وقت تم) نفس کو یوں سمجھا لو کہ واقعی ایسا ہے، پھر کیوں برامانتا ہے، اور کسی کی برائی سے کچھ رنج و اثر ہی نہ ہو تو یہ تو اضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح و ذم (یعنی تعریف اور برائی سب) برابر ہو جائے، مطلب یہ کہ عقلاً برابر ہو جائے، کیونکہ طبعاً تو مساوات ہو نہیں سکتی۔

کسی متواضع سے کبھی کوئی بات تکبر کی نکل جائے تو یہ مضر نہیں، ہاں اس کے افعال اور احوال میں زیادہ غلبہ تو اضع کو ہونا چاہئے۔

جس جگہ زیادہ تواضع کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہو وہاں قصداً اتنی

تواضع نہ کرو۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۷۳)

## تواضع اختیار کرنے کا طریقہ

محققین کا قول ہے کہ تم یہ سمجھ کر تواضع اختیار کرو کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا حق یہی ہے کہ ان کے سامنے ہر شخص پستی اور تواضع کو اپنی صفت بنائے، اور اپنے کو لاشیٰ محض سمجھے، اس پر حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس طرح تواضع اختیار کرے گا ہم اس کو رفعت (عزت) عطا فرمائیں گے، لیکن تم رفعت (وعزت) کی نیت سے تواضع نہ اختیار کرو، گو ایک گونہ رفعت (عزت) اس طرح بھی حاصل ہو جائے گی کیونکہ تواضع میں خاصیت ہے گو کسی نیت سے ہو کہ وہ قلوب کو کشش کرتی ہے، مگر اس صورت میں حقیقی رفعت یعنی حق تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا مندی حاصل نہ ہوگی۔

(انفاس عیسیٰ ص ۲۷۵)

## چھوٹا اور تابع بن جانا کوئی عیب کی بات نہیں

تابعیت (یعنی چھوٹا بن جانا، تابع ہو جانا) کوئی عیب کی بات نہیں کیونکہ مقبوعیت کو کوئی کہاں تک نباہے گا، کسی نہ کسی بات میں تو ہر شخص کو کسی نہ کسی کا تابع بننا ہی پڑتا ہے تو اس موقع پر بھی تابعیت (چھوٹا ہونا) اختیار کر لیا جائے تو کیا عیب لگ جائے گا۔ تابعیت اور چھوٹا پن تو بڑی اچھی چیز ہے، اس سے اپنا بوجھ تو ہلکا ہو جاتا ہے۔ تم مقبوع بن کر بھی دیکھو اور تابع بن کر بھی دیکھو، اندازہ ہو جائے گا کہ کس میں راحت ہے۔

دیکھو ایک عالم سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اس میں غور و خوض کرے مگر اطمینان نہ ہو تو اگر وہ یہ کہہ دے کہ مجھے شرح صدر نہیں ہو اور دوسرے سے پوچھ لو، تو کتنا بوجھ ہلکا ہو جائے گا، مگر آج کل اس کو کسرِ شان سمجھا جاتا ہے اور علم کی شان یہی سمجھی جاتی ہے کہ ہر مسئلہ کا جواب ضرور دیا جائے خواہ وہ غلط ہی ہو، بس اس شان نے تباہ کیا، اسی شان کی وجہ سے علماء میں اتفاق نہیں ہوتا، کوئی عالم دوسرے کا تابع بننا نہیں چاہتا، حالانکہ اتفاق اور تابعیت سے مؤنت (مشقت) کم ہو جاتی ہے اور بوجھ بٹ جاتا ہے۔

(السوق لابن الشوق ص ۱۸)

## ایک تواضع نے پورا خاندان بچا لیا اور ایک تکبر نے پورا خاندان تباہ کر دیا، ایک دلچسپ فرضی حکایت

دب جانے اور چھوٹا بن جانے پر ایک حکایت یاد آئی ایک شیخ صاحب ڈاڑھی

چڑھائے ہوئے چلے آ رہے تھے راستے میں ایک خانصاحب ملے، ان کو شیخ صاحب کا ڈاڑھی چڑھانا سخت ناگوار ہوا، اور کہا کیوں بے تو ہماری برابری کرنے لگا؟ شیخ جی بڑے چالاک تھے کہا کہ برابری کیوں نہ کریں ہم تجھ سے کس بات میں کم ہیں، خانصاحب کو اور غصہ آ گیا، اور کہا کہ اچھا آٹھ لے! شیخ جی نے کہا یوں نہیں لڑتے، لڑائی لڑنی ہی ہے تو اچھی طرح لڑیں گے پھر اپنے پیچھے بیوی بچوں کو بیوہ اور یتیم چھوڑیں گے تو کس کام کی بات ہوگی، لڑنا ہے تو پہلے اپنے اپنے کنبہ (خاندان اور گھر والوں) کو ختم کر لو پھر دل کھول کر لڑو، خانصاحب کو غصہ بیکر چڑھا ہوا تھا زور میں آ کر اس کے لئے بھی تیار ہو گئے اور گھر جا کر تمام کنبہ (گھر والوں) کو صاف کر دیا۔ اور لوٹ کر آئے اور کہا اب لڑ لے، شیخ جی نے کیا کیا کہ اپنی ڈاڑھی اتار لی اور کہا کہ لو بھائی تم ہی جیتے میں ہارا، میں تمہاری برابری نہیں کرتا تم بڑے اور میں چھوٹا۔

تواضع ایسی بڑی چیز ہے جس کی بدولت شیخ جی اور شیخ جی کا کنبہ صحیح اور سالم رہا، اور تکبر ایسی بری چیز ہے کہ جس کی بدولت خانصاحب کا پورا کنبہ غارت ہو گیا۔ اور اگر شیخ جی بھی اکڑتے ہی جاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ شیخ جی کا سارا کنبہ بھی صاف ہو جاتا بلکہ شیخ جی بھی نہ رہتے اور خانصاحب بھی نہ رہتے، اگر مرتے بھی نہیں تو زخمی تو ہو ہی جاتے۔ ایک تواضع نے ان کا پورا کنبہ بچا لیا اور دونوں کی جان بچائی۔

(السوق لابن الشوق ص ۱۷)

## حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی عیسائی قوم سے آپ نے عارضی مصالحت کی، صلح میں میدان تقسیم ہو گئے، ان لوگوں نے سرحد پر

ہرقل کا مجسمہ بنا کر بطور نشان کے قائم کر دیا، اتفاق سے کچھ مسلمان اس مجسمہ کے آس پاس گھوڑ دوڑ کر رہے تھے، ایک سپاہی نے مجسمہ کی آنکھ پر بر چھما مار دیا وہ آنکھ ٹوٹ گئی، عیسائیوں کو اس کی اطلاع ہوئی، انہوں نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے احتجاج کیا کہ ہمارے بادشاہ کے مجسمہ کی توہین کی گئی ہے، ہم اس کا انتقام لینا چاہتے ہیں، حالانکہ بات کچھ نہ تھی مگر حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا کہ واقعی ہمارے سپاہی نے بہت بڑی غلطی کی، اور اس کے معاوضہ میں اپنی آنکھ پیش کرتا ہوں تم میری آنکھ پھوڑ دو، اس جواب کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے وفاء عہد کا عیسائیوں میں چرچا ہو گیا کہ یہ لوگ عہد کے کیسے پکے ہیں، بالآخر وہ لوگ خود ہی ڈھیلے ہو گئے، اور کہا کہ ہم تصویر کی آنکھ کے معاوضہ میں آپ کی آنکھ نہیں لینا چاہتے، یہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو ترقی ہوئی تھی۔ (بالاخرۃ التبلیغ ۱۲۱ ج ۱۳)

## ایک بزرگ کے تواضع کی حکایت

اہل اللہ کے تواضع کے واقعات بہت ہی دلکش ہیں، دیکھئے ان واقعات میں کیسی دلکشی ہے، ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی نے ان کی دعوت کی اور کہہ دیا کہ فلاں وقت مکان پر تشریف لے آئیے گا چنانچہ جب وہ وقت پر آئے تو داعی نے کہا کیوں آئے؟ کیسے آئے؟ فرمایا: بھائی تم نے دعوت بھی کی تھی، کہا: کس نے دعوت کی تھی؟ خواخواہ لوگوں کے سر ہوتے پھرتے ہو، یہ سن کر وہ بیچارے لوٹ چلے تو وہ کہتا ہے کہ جاتے کہاں ہو، ہم نے تو دعوت کی تھی تم نخرے کرتے ہو، وہ پھر واپس چلے آئے تو کہنے لگا سبحان اللہ! آپ تو کھانے کیلئے ہاتھ دھوئے پھرتے ہیں وہ بیچارے پھر لوٹنے لگے تو کچھ دور جانے کے بعد کہتا ہے عجیب آدمی ہو ہم

نے تو تمہاری دعوت کی تھی میاں چلے جا رہے ہیں کئی بار ایسا کیا وہ بار بار چلے جاتے تھے اور چلے آتے تھے، اخیر میں وہ پیروں میں گر پڑا (اور کہا) کہ حضرت میں تو دیکھنا چاہتا تھا (کہ آپ میں صبر و حلم کتنا ہے) پس میں نے آزما لیا کہ واقعی آپ بزرگ ہیں، فرمایا: میاں اس سے دھوکہ نہ کھانا، بزرگی تو وہ ہے جو انسان کے اوصاف میں ہو، اور جو بات تم نے میرے اندر دیکھی ہے یہ صفت تو کتے کے اندر بھی ہے کہ دھمکا دو تو چلا جائے گا اور روٹی دکھلا دو تو آجائے گا۔ یہ بات پہلے سے بھی زیادہ تو اضع کی ہے۔

(الاخوة، التبلیغ ص ۸۳)

## حضرت مولانا اسماعیل شہید کی متواضعانہ حکایت

حضرت مولانا اسماعیل شہید ایک دن جامع مسجد دہلی میں وعظ فرما رہے تھے، مسجد بھری ہوئی تھی، ایک ظالم نے بھرے مجمع میں جا کر کہا کہ مولانا میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادہ ہیں، غور کیجئے ایک شخص کو بھرے مجمع میں ایسا لفظ کہا جائے تو اس کا کیا حال ہوگا، خصوصاً اس شخص کا جو وعظ کہہ رہا ہو، اس کو تو اس طعن سے ایسا غصہ آئے گا کہ سارا مضمون اگلا پچھلا بھول جائے گا، مگر مولانا کے چہرہ پر اس سے بل بھی نہیں پڑا، نہ تقریر میں کوئی بندش ہوئی، نہایت نرم لہجہ میں فرمایا کسی نے تم سے غلط کہہ دیا ہے، شرعی قاعدہ ہے الولد للفرش کہ بچہ فرش کے تابع ہوتا ہے اور میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ اب تک موجود ہیں، تو شرعاً میں ثابت النسب ہوں، حرام زادہ نہیں، اور ثابت النسب کو غیر ثابت النسب (حرامی) کہنا شرعاً جائز نہیں بلکہ گناہ ہے، یہ فرما کر پھر وہی مضمون شروع کر دیا جو

پہلے سے بیان فرما رہے تھے۔

یہ ہیں وہ واقعات جن سے دشمنوں کے دل بھی موم ہو جاتے ہیں، اور تواضع سے وہ رفعت (وعزت) حاصل ہوتی ہے جو تواضع سے کبھی نہیں ہوتی۔

(الاخوة، التبلیغ ص ۸۲ ج ۱۳)

## حضرت شاہ اسحاق صاحب دہلوی کی حکایت

حضرت شاہ اسحاق صاحب دہلوی کی عادت تھی کہ جو ان کو کسی سے سفارش کرنے کے لئے کہتا تو فوراً سفارش کر دیتے تھے۔

حضرت شاہ اسحاق صاحب سے ایک صاحب ملنے آئے اور آپ سے ایک ایسے شخص کے پاس سفارش کرنے کی درخواست کی جو شاہ صاحب کا مخالف تھا، شاہ صاحب نے فوراً سفارش لکھ دی، جب وہ شخص شاہ صاحب کا خط لے کر اس کے پاس پہنچا تو اس گستاخ نے اس خط کو موڑ کر ایک بتی سی بنا دی اور کہا کہ لے جاؤ شاہ صاحب سے کہو کہ اس کو اپنی فلاں جگہ میں رکھ لو (گالی دی) یہ شخص بھی عجیب تھا، یہ سیدھا شاہ صاحب کے پاس واپس آیا اور جو الفاظ اس نے کہے تھے وہ نقل کر دیئے، شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ میرے اس عمل سے تیرا کام ہو جائے گا تو میں اس میں بھی تامل نہ کرتا، مگر میں جانتا ہوں کہ یہ ایک لغو حرکت ہے، یہ شخص یہاں سے پھر اس شخص کے پاس پہنچا اور شاہ صاحب کا قول اس کو سنا دیا، اب تو اس شخص پر وجد طاری ہو گیا اور فوراً حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لی اور مرید ہو گیا۔

(مجالس حکیم الامت ص ۱۸۲)

## سر سید احمد کی وسعتِ ظرفی

ایک مرتبہ علی گڑھ کے اسٹیشن پر ریل میں سر سید سوار ہوئے، اسی ڈبہ میں ایک اور صاحب پہلے سے سوار تھے، انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کون شہر ہے، سر سید بولے کہ علی گڑھ، یہ سن کر وہ صاحب کیا کہتے ہیں وہی علی گڑھ جہاں سر سید ایسا تیسرا ہوتا ہے، سر سید کہتے ہیں جی ہاں وہی علی گڑھ، وہ صاحب کہتے ہیں کہ وہ تو بڑا ہی ایسا ویسا ہے، خوب برا بھلا کہا، اس نے دین کو بہت نقصان پہنچایا، سر سید نے کہا کہ ہاں وہ ایسا ہے، یہ صاحب اور زیادہ کھلے اور کئی اسٹیشن تک تبرا کرتے چلے گئے، سر سید کو ذرہ برابر تغیر نہیں ہوا بلکہ تصدیق کرتے رہے، آخر ایک اسٹیشن پر ان تبرا کرنے والے صاحب نے کھانا کھانے کے لئے نکالا، جب کھانے بیٹھے تو ان کی بھی تواضع کی، سر سید نے جواب دیا کہ آپ کھائیں، انہوں نے کہا کہ مصنوعی تواضع نہیں، آجائے، سر سید نے پھر ٹالا انہوں نے پھر اصرار کیا اور کہا میری دلشکنی ہوگی سر سید نے کہا کہ مجھ کو کچھ عذر ہے ان کا بہت اصرار ہوا، سر سید نے پھر کہا کہ واقعی مجھ کو عذر ہے، انہوں نے کہا کہ وہ عذر کیا ہے بتلائیے، سر سید نے کہا کہ بتلانے کا نہیں ہے انہوں نے کہا کہ بتلانا ہوگا سر سید نے کہا کہ اگر بتلا دوں تو اس وقت تو آپ کھانا کھلانے پر اصرار کر رہے ہیں اور عذر معلوم ہو جانے کے بعد تو شاید میری صورت دیکھنا بھی گوارا نہ کریں گے، انہوں نے کہا تو بہ تو بہ ایسی کیا بات ہے اور آپ کیوں ایسا فرما رہے ہیں؟ تب سر سید نے کہا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس پر آپ کئی اسٹیشنوں سے تبرا کرتے چلے آ رہے ہیں، وہ سن کر یہ صاحب کٹ ہی تو گئے بے حد ندامت اور شرمندگی

سوار ہوئی، معافی چاہی نتیجہ یہ ہوا کہ معتقد ہو گئے، باوجود اس کے کہ سر سید ایک دنیا دار شخص تھے مگر استغناء اور حوصلہ تھا مگر آج کل نہ دنیا داروں میں یہ وصف ہے نہ دینداروں میں الا ماشاء اللہ، عالم بھی ہیں شیخ بھی ہیں، صوفی بھی ہیں، عارف بھی ہیں، زہد و تقویٰ کا بھی دعویٰ ہے، یہ تو سب کچھ ہے مگر استغناء و حوصلہ نہیں ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت ص: ۱۴۱ قسط نمبر ۱)

## مروت و صبر اور رعایت سے متعلق دو حکایتیں

ایک مرتبہ یورپ میں شاہ ایران مہمان ہوئے، کھانے کے بعد پیالیوں میں نہایت رنگین اور خوشنما اور خوشبودار صابن ہاتھ صاف کرنے کے لئے آیا یہ سمجھے کہ یہ کوئی کھانے کی چیز ہے یا پینے کی اس کو پی گئے، اس کھانے پر جس قدر انگریز تھے سب نے اس کو پیا محض اس خیال سے کہ ان کو کوئی شرمندگی نہ ہو، ایسی باتوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔

www.alislahonline.com

## ایک نواب زادہ کی عبرت آمیز حکایت

ایک نواب زادہ کی حکایت ہے کہ یہ ایک جہاز میں سوار تھے اور ان کے چند دوست احباب بھی ہمراہ تھے، ایک انگریز بھی بڑے درجہ کا اس جہاز میں سفر کر رہا تھا اور ان کو رئیس سمجھ کر ان کے پاس ملنے آتا تھا اور انگریزی میں بات چیت کرتا تھا، یہ یوں سمجھتے کہ یہ اردو نہیں جانتا، انہوں نے مذاق میں اس کا نام الو کا پتہ رکھا تھا اور یہی سمجھتے تھے کہ یہ اس کو نہیں سمجھتا، اور وہ باوجود سمجھنے کے کبھی چیں بچیں (یعنی غصہ) نہ ہوا، جب جہاز سے اتر کر چلنے لگے تو وہ نواب زادہ سے

رخصت ہونے کے لئے کہتا ہے کہ ”الوکا بچہ آداب بجالاتا ہے“ اودھ کا سا سلام کیا، اس وقت معلوم ہوا کہ یہ اردو اعلیٰ درجہ کی جانتے ہیں، مگر غضب یہ کیا کہ سارے راستہ ان کو محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں اس کو سمجھتا ہوں، برابر اس کہنے پر بولتا رہا، اور کوئی ناگواری نہیں ہوئی، نواب زادہ کی تو یہ حالت ہوئی کہ مارے شرمندگی کے پسینے پسینے ہو گئے اور بے حد مجھوب اور شرمندہ ہوئے اور وہ کہہ کر چل دیا، اس صبر کو ملاحظہ فرمائیے۔

یہ ایسی قوم ہے مگر دین نہ ہونے کے سبب یہ سب اخلاق کی نقل ہے اصل نہیں۔

کفر جڑ ہے تمام اخلاق رذیلہ کی اور اسلام جڑ ہے تمام اخلاق حمیدہ کی، اس لئے کفر کے ہوتے ہوئے اتفاق ہونا نہایت عجیب ہے، اور اسلام کے ہوتے ہوئے نا اتفاقی ہونا عجیب ہے، ان دونوں کا سبب کچھ عوارض ہوتے ہیں۔

(الافاضات الیومیہ ص ۱۵۹ ج ۷ ملفوظ ۲۷۳)

جس قدر غیر مسلم اقوام ہیں سب نے اسلام کے اصول لے لئے ہیں راحت اٹھا رہے ہیں، اور مسلمانوں نے چھوڑ دیئے، پریشان ہیں، تکلیف اٹھا رہے ہیں۔

(الافاضات الیومیہ ص ۱۵۱ ج ۷ ملفوظ ۲۷۰)

## باب

### اتحاد و اتفاق کے حدود

#### ہر اتفاق مطلوب نہیں اور ہر اختلاف مذموم نہیں

حق تعالیٰ فرماتے ہیں ”وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا“: (پ ۴ آل عمران) ترجمہ اس کا یہ ہے کہ تم سب لوگ مل کر اللہ کے دین کے ساتھ تمسک کرو، اور سب کے سب دین پر قائم رہو، اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود دین ہے، اور اتفاق بھی وہی مطلوب ہے جو تمسک بالمدین (یعنی شریعت کو مضبوطی سے سے پکڑنے) کے ساتھ ہو، آج کل کے عقلاء نے صرف اتفاق کا نام سن لیا ہے اور اس کی رٹ دن رات لگاتے رہتے ہیں تو ان کے نزدیک اتفاق کے معنی صرف یہ ہیں کہ ایک شخص دوسرے کا ہم خیال (اور اس کے تابع) ہو جائے، یعنی اگر کوئی شخص حق کو چھوڑ کر باطل پرست کے ساتھ ہو جائے وہ بھی اتفاق سمجھا جاتا ہے حالانکہ کوئی صحیح عقل رکھنے والا اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔

قرآن پاک نے فیصلہ کر دیا ہے کہ مطلقاً اتفاق محمود (پسندیدہ) نہیں بلکہ اتفاق وہی مطلوب ہے جو باطل کے ساتھ نہ ہو اور اگر اس کا عکس ہو تو ایسا اتفاق مردود ہے چنانچہ حق تعالیٰ عز اسمہ نے اجْتَمِعُوا (کہ اتفاق کر لو) نہیں فرمایا بلکہ اِعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا فرمایا کہ اتفاق (وہی) مطلوب ہے جس میں دین کی لگام ہاتھ سے نہ چھوٹے اور اس کی پوری توضیح مثالوں سے ہو جاتی ہے۔

مثلاً دو سلطنتوں میں جنگ ہو اور بازار قتل گرم ہو اب یہی قوم کے ہمدرد کیا

اتفاق اتفاق وہاں بھی پکاریں گے؟ اور اتفاق کی صورت یہ تجویز کریں گے کہ ایک سلطنت بلا کسی ترجیح کے اپنی حکومت سے دستبردار ہو جائے، اور دوسری سلطنت غالب و کامیاب ہو کر واپس آجائے تو کیا یہ اتفاق سمجھا جائے گا؟

یا ایک ظالم شخص ایک مظلوم سے لڑنے لگے تو اب یہاں اتفاق کی صورت ایک یہ بھی ہے کہ مظلوم خاموش کھڑا پٹنار ہے تاکہ اتفاق ہاتھ سے نہ جائے تو ظاہر ہے کہ یہ اتفاق مطلوب نہیں بلکہ اتفاق مطلوب (یعنی وہ اتفاق جو شرعاً مطلوب و پسندیدہ ہے اس) کے معنی یہ ہیں کہ ظالم اس شنیع (برے) فعل سے باز رہے اور مظلوم کے ساتھ اتفاق کرے نہ کہ یہ مظلوم بیچارہ مصیبت میں مبتلا رہے اور مثلاً ایک شخص نے ایک لاکھ روپے کا دعویٰ کیا اور رواد سے حاکم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مدعا علیہ جھوٹا ہے اور اس کے ذمہ ایک لاکھ روپیہ واجب الاداء ہے لیکن وہ فدائے قوم اپنے اتفاق کی دھن میں مدعی کو ڈگری (اور اس کا حق) دلانے کے بجائے یہ کہے کہ تم ایک لاکھ چھوڑ دو اور آپس میں اختلاف نہ کرو، اتفاق سے رہو، کیا یہ اتفاق ہے؟ (اور کیا ایسے اتفاق کا بھی کوئی قائل ہو سکتا ہے؟) ہرگز نہیں، جہاں قانون میں اور جرائم لکھے ہیں کیا مطلق نا اتفاق بھی کہیں جرم ہے؟ بلکہ اس قسم کے اتفاق سے فیصلہ کرنا (جس میں دوسرے کی حق تلفی ہو) خود بہت بڑا جرم ہے کیوں کہ مغلوب کا دباؤ اور مظلوم کو ستانا عدالت میں بہت سنگین جرم ہے۔

ان سب باتوں سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ مطلق اتفاق مطلوب نہیں بلکہ وہی اتفاق مطلوب ہے جس میں ناحق کو حق کے تابع کیا جائے، نہ کہ اس کا عکس لہذا یہ عنوان کہ آپس میں اتفاق سے رہو نہایت ہی مہمل عنوان ہے، بلکہ اولاً

حق متعین کرنے کی ضرورت ہے، اس کے بعد جو ناحق پر ہوا اس کو سمجھایا جائے کہ اہل حق کے ساتھ متفق ہو کر رہے نہ کہ یہ محض اٹکل سے مطلقاً اتفاق اتفاق پکارنا شروع کر دیا۔ (الاعتصام بحبل اللہ ص ۳۲۳، ۳۲۴)

اس مسئلہ کی تفصیل کہ ہر اختلاف مذموم نہیں

بعض اختلاف حق اور درست بھی ہوتے ہیں

بعض (لوگ) تو اہل حق ہی سے کہتے ہیں کہ آپ کو دوسروں سے اتفاق کر لینا چاہئے اور بعض ایسے بھی ہیں جو دونوں سے کہتے ہیں کہ دونوں کو باہم اتفاق کر لینا چاہئے، یہ لوگ اہل حق کو بھی اہل باطل سے اختلاف کرنے کی وجہ سے مجرم سمجھتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اہل حق کو اہل باطل کے ساتھ اتفاق رکھنا چاہئے خواہ یا تو وہ ان کی بات کو مان لیں اگر وہ نہ مانیں تو پھر ان کو ان کی بات مان لینا چاہئے، کیونکہ اختلاف مذموم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اختلاف مطلقاً مذموم ہے تو پھر آج سے اگر کاشتکار آپ کی زمین کا لگان نہ دے تو اس کی نالاش نہ کرنا کیونکہ نالاش کرنا نزاع ہے اور نزاع مطلقاً مذموم ہے اور اگر وہ گھر مانگے اور اس وقت اس سے پوچھا جائے کہ تو ہمارا گھر کیوں لیتا ہے؟ اور وہ یہ جواب دے کہ ناحق لیتا ہوں اور اگر آپ نے گھر نہ دیا تو مجھ میں اور آپ میں اتفاق نہ رہے گا، اختلاف ہو جائے گا تو آپ کو چاہئے کہ نزاع (جھگڑا) سے بچنے کے لئے اپنا گھر بھی اس کو دے دیں اور اگر وہ زمین دبا لے تو اتفاق کے لئے زمین بھی دیدو۔

www.alislahonline.com

## ایک دنیا دار واعظ اور شہزادہ کی حکایت

جیسے دہلی میں شہزادہ ثریا جاہ نے تماشا کیا تھا کہ وہاں ایک واعظ صاحب کسی کی مسجد کے مکان پر تولیت کے بہانہ سے قبضہ کرنا چاہتے تھے اور حق تولیت ثابت کرنے کے لئے ایک استفتاء بھی لکھا جس پر بڑے بڑے علماء کے دستخط کرنا چاہتے تھے۔

چونکہ ان کے زعم میں بعض علماء ثریا جاہ کے اثر میں تھے اس لئے ان کے ذریعہ سے یہ کام کرنا چاہا۔ ثریا جاہ کو ایک صاحب نے پہلے سے خبر کر دی کہ کل فلاں نے ایک مولوی صاحب اس قسم کا استفتاء لائیں گے اور وہ تولیت کے بہانہ سے مسجد کے مکان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ثریا جاہ نے کہا بہت اچھا میں ان کا اچھی طرح علاج کر دوں گا کہ پھر اس کا نام لینا بھی بھول جائیں گے۔

چنانچہ اگلے دن مولوی صاحب پاکی پر سوار ہو کر ان کے مکان پر آئے انہوں نے بڑے تپاک سے استقبال کیا، اور صدر پر بٹھلایا اور چائے پان وغیرہ سے خوب تواضع کی۔ پھر پوچھا کہ جناب نے کیسے تکلیف فرمائی؟ کوئی خدمت میرے لائق ہو تو ارشاد فرمائیے! کہا جی ہاں، مجھے ایک استفتاء پر علماء کے دستخط کرانے ہیں آپ دستخط کر دیجئے۔ ثریا جاہ نے استفتاء کو پڑھا اور پڑھ کر اپنے خزانچی کو بلایا کہ ہمارے خزانہ کی کنجیاں مولانا کے سپرد کر دو اس نے کنجیاں لا کر سامنے رکھ دیں، مولوی صاحب بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے، ثریا جاہ نے کہا مولانا یہ تو خزانہ کی کنجیاں ہیں اور یہ گھر مع سامان کے حاضر ہے اگر آپ کو گھر کی ضرورت ہے تو میں اپنا گھر اور اپنا خزانہ پیش کر سکتا ہوں لیکن خدا کا گھر نہیں

دے سکتا، اس کے بعد باہر نکل کر محلہ والوں کو پکارا کہ بھائی ذرا یہاں آنا سب لوگ گھبرائے کہ آج ثریا جاہ کو کیا ہو گیا جو یوں بادلوں کی طرح چلا رہا ہے لوگ جمع ہو گئے تو ثریا جاہ نے سب سے کہا کہ بھائی یہ مولوی صاحب مجھ سے خدا کا گھر مانگتے تھے میں نے عرض کر دیا کہ آپ کو مکان کی ضرورت ہو تو میں اپنا گھر دے سکتا ہوں خدا کا گھر نہیں دے سکتا اب تم سب گواہ رہو کہ آج سے یہ گھر میرا نہیں۔ بلکہ مولوی صاحب کا ہے میرے لئے اگر تھوڑی سی جگہ ایک جھونپڑے کے برابر آپ لوگ دیدیں گے تو میں اسی میں اپنا گذر کر لوں گا۔

اس ترکیب سے مولوی صاحب کی تو یہ حالت ہوئی کہ ان کا رنگ زرد ہو گیا ان میں کا ٹوٹو خون نہیں تھا۔ بیٹھے بیٹھے مارے ندامت کے کانپنے لگے اور ثریا جاہ سے کہا شہزادے صاحب! مجھے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ آپ میرے ساتھ یہ معاملہ فرمائیں گے۔ ثریا جاہ نے کہا مولانا مجھے بھی آپ سے یہ امید نہ تھی کہ میرے ذریعہ خدا کے گھر پر قبضہ کرنا چاہیں گے۔

بس مولوی صاحب تو اسی وقت ہانپتے ہانپتے بخار کی حالت میں سوار ہو کر اپنے گھر چلے گئے اور مہینوں تک گھر سے باہر نہ نکلے اور ادھر تمام شہر میں اس واقعہ کا شور ہو گیا کہ فلاں مولوی صاحب مسجد پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اس کے بعد پھر ان کو دعویٰ تولیت کی ہمت نہ ہوئی، تو جیسے ثریا جاہ نے رفع نزاع کے لئے اپنا گھر اور خزانہ پیش کر دیا تھا۔ ایسے ہی آپ بھی کر دیا کیجئے مگر وہاں تو مولوی صاحب نے گھر لیا نہیں تھا لیکن کاشتکار کو اگر تم دینا چاہو گے وہ تو سب کچھ لے لے گا ذرا اس طرح کر کے دیکھو انشاء اللہ گھر کا صفایا ہو جائے گا۔

اب انصاف سے بتلائیے کہ اگر کاشتکار اس قسم کی ناحق حرکتیں کرے تو



پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس اتفاق کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ دوسرے مقام پر اس کا بھی ذکر ہے قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا لآيَةٍ (سورة الممتحنة پ ۲۸)

(ترجمہ: تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ہمارے تم سے اور اللہ کے سوا تم جن جن کی عبادت کرتے ہو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے)

ایسا اتفاق ہرگز مطلوب نہیں کہ اہل باطل باطل پر

جمے رہیں اور اہل حق ان سے اتفاق کر لیں

ابراہیم علیہ السلام نے اس اتفاق کی جڑیں اکھاڑ دیں اور اہل باطل سے صاف صاف بیزاری کا اعلان کر دیا اور فرما دیا کہ قیامت تک کے لئے ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت و بغض قائم ہو گیا، معلوم ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ اس طرح اتفاق کرنا محمود نہیں کہ وہ اپنے باطل پر جمے رہیں اور اسی حالت میں ہم ان سے اتفاق کر لیں، بلکہ اس صورت میں تو ان سے بیزاری اور اختلاف و عداوت رکھنا ہی مطلوب ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں نے کیا اور انہی کی اقتداء کا حق تعالیٰ ہم کو حکم فرما رہے ہیں۔

مگر آج کل تو لوگ ایسا اتفاق چاہتے ہیں جیسا کہ نعمان خاں نے اتفاق

کرنا چاہا تھا، یہ ایک ان پڑھ شخص ہیں مگر اہل کتاب سے مناظرہ کا بہت شوق تھا، ایک دفعہ کوئی پادری کہہ رہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام اندھوں کو سوا نکھا کرتے تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اندھے کو سوا نکھا نہیں کیا، نعمان خاں نے جواب دیا کہ لاؤ یہ تو میں کر دوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑی چیز ہیں، وہ پادری یک چشم تھا۔ کہنے لگا اچھا تم میری دونوں آنکھوں کو برابر کر دو۔ اب آپ نے کہا کہ نبی اور امتی میں کچھ فرق ہونا چاہئے نبی تو دوسری آنکھ کو بینا کر کے دونوں کو برابر کرتے مگر میں یہ کر سکتا ہوں کہ تندرست آنکھ کو بھی پھوڑ دوں اس سے بھی دونوں برابر ہو جائیں گی اور اس کے بعد اس کی آنکھ میں انگلی دینے لگے کہ بولو پھوڑ دوں، اس سے مجمع کو ہنسی آگئی اور پادری کی تقریر کا رنگ اکھڑ گیا اور یہ حضرت جیت گئے، گوبات بے ڈھنگی تھی، مگر آج کل مناظرہ میں ایسے ہی لوگ اچھے رہتے ہیں کیونکہ آج کل جیتنے اور ہارنے کا مدار اس پر ہے کہ مجلس پر کسی کا اثر جم جائے اور مقابل کا رنگ اکھڑ جائے، چاہے بات معقول ہو یا نامعقول ہو۔

جس طرح مولوی نعمان خاں نے اس پادری کی دونوں آنکھیں برابر کرنا چاہی تھی اسی طرح آج کل لوگ اہل حق و اہل باطل میں یوں اتحاد کرنا چاہتے ہیں کہ اہل حق بھی اپنی آنکھوں کو پھوڑ کر کانے لوگوں کے برابر ہو جائیں۔ حالانکہ مقتضائے عقل یہ تھا کہ کانوں سے یہ کہا جاتا کہ تم اپنی ایک آنکھ بنا کر سوا نکھوں میں داخل ہو جاؤ۔

اگر نزاع و اختلاف مطلقاً مذموم ہے اور اہل حق کو بھی اہل باطل کے ساتھ اتحاد پر مجبور کیا جاسکتا ہے تو کیا نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی موجب

اختلاف شمار کیا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی تعلیم و تبلیغ سے تمام عرب میں ہل چل مچادی، اس دعویٰ کے اظہار سے پہلے مذہباً تمام اہل عرب متحد تھے مگر دعویٰ توحید کے بعد سب میں پھوٹ پڑ گئی مگر یہ اختلاف محمود تھا کیونکہ ابطال باطل پر تھا۔

معلوم ہوا کہ نہ اختلاف مطلقاً مذموم ہے نہ اتفاق مطلقاً محمود ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اختلاف کا لفظ نہیں اختیار فرمایا، کیونکہ اختلاف ہر حالت میں ممنوع و موجب ملامت نہیں بلکہ آپ نے لفظ فساد اختیار فرمایا کہ آپس میں بگاڑ و فساد ڈالنے سے بچو اور فساد کا مصداق وہی امر ہے جو خلاف شرع اور معصیت ہو، فساد میں محمودیت کا احتمال نہیں ہو سکتا وہ تو ہمیشہ مذموم ہی ہوگا۔ خواہ اس کا مصداق اتفاق خلاف شرع ہو یا نا اتفاقی ہو لفظ فساد دونوں کو عام ہے صرف نا اتفاقی اور اختلاف ہی کے ساتھ خاص نہیں۔ پس اب ان لوگوں کو احتجاج کا موقع نہیں رہا جو اختلاف کو مطلقاً مذموم کہتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ ہی کو اختیار نہیں فرمایا۔ بلکہ فساد فرمایا ہے تو مذمت کے قابل وہ شخص ہے جو مفسد ہو اور مفسد وہ ہے جو شریعت سے ہٹا ہوا ہے اور شریعت پر قائم رہ کر جو کوئی دوسروں سے اختلاف کرے وہ مفسد ہرگز نہیں گو اختلاف اور مخالفت کرنے والا ہے۔ اور اگر کسی روایت میں بجائے فساد کے اختلاف کا لفظ وارد ہوا ہو تو بقاعدہ الاحادیث یفسر بعضها بعضاً ان سے مطلق اختلاف مراد نہ ہوگا، بلکہ خاص وہ اختلاف مراد ہوگا جو فساد میں داخل ہو۔

(وعظ اصلاح ذات البین لمحقہ آداب انسانیت ص ۳۳۸)

## اختلاف محمود و مذموم کا معیار اور اختلاف رحمت کا مصداق

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ  
وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔

(ترجمہ و تفسیر) اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے (دین میں) باہم تفریق کر لی اور (نفسانیت سے) باہم اختلاف کر لیا، ان کے پاس احکام واضح پہنچنے کے بعد، اور ان لوگوں کیلئے سزائے عظیم ہوگی۔

(بیان القرآن)

فائدہ: آیت میں جو تفریق و اختلاف کی مذمت ہے، اس سے مراد وہ تفریق ہے جو اصول دین میں ہو، یا فروع میں براہ نفسانیت ہو جیسا کہ اہل اہواء نے اہل سنت کے ساتھ اختلاف کیا، چنانچہ آیت میں خود یہ قید کہ ”احکام واضح آئے پیچھے“ اس کا قرینہ موجود ہے، کیونکہ اصول سب واضح ہوتے ہیں، اور فروع بھی بعضے ایسے واضح ہوتے ہیں کہ اگر نفسانیت نہ ہو تو اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی، پس جو فروع غیر واضح ہیں یا تو نص صریح نہ ہونے کی وجہ سے یا نصوص میں ظاہری تعارض کی وجہ سے جن میں وجہ تطبیق صریح نہ ہو، ایسے فروع میں اختلاف ہو جانا آیت میں داخل نہیں اور مذموم نہیں بلکہ امت مرحومہ میں واقع ہے۔ اور یہ حدیث اس کی اجازت کے لئے کافی ہے جس کو شیخین نے عمر بن عاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جب کوئی حاکم اپنے اجتہاد سے حکم شرعی کرے اور وہ حکم ٹھیک ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب حکم اجتہاد سے کرے اور وہ غلط ہو جائے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے، اور اس اختلاف کی مشروعیت پر امت کا اجماع

ہی کافی ہے، اور روح المعانی میں بیہتی سے قاسم بن محمد کا قول اور مدخل سے عمر بن عبدالعزیز کا قول اس مضمون کا نقل کیا ہے کہ صحابہ کا اختلاف لوگوں کے لئے موجب رحمت و رخصت ہو گیا۔

(بیان القرآن سورہ آل عمران پ ۴ ص ۴۶ ج ۱)

ایسا اختلاف تو رحمت ہے، اس اختلاف سے فتنے اور فساد کی نوبت نہیں آیا کرتی، دیکھئے ائمہ اربعہ میں سمجھ ہی کا اختلاف ہے مگر اس کے ساتھ پھر سب متفق ہیں، کوئی ایک دوسرے پر ملامت و طعن نہیں کرتا بلکہ ہر ایک سب کو حق پر سمجھتا ہے، اگر ایسا اختلاف ہوتا تو مسلمانوں کو آج یہ پریشانی نہ ہوتی جو آنکھوں سے نظر آرہی ہے، یہ اختلاف تو روٹیوں کا ہے، میں کہا کرتا ہوں کہ اگر اہل حق کے پاس کافی روپیہ ہو اور وہ ان سب فرقوں کی تنخواہ مقرر کر دیں تو سارا اختلاف ایک دن میں مٹ جائے، یہ سارا اختلاف پیٹ کی وجہ سے ہے۔

(وعظ اسباب الفتنہ ملحقہ اصلاح ظاہر ص ۱۰۵)

## شریعت میں کون سا اختلاف مذموم ہے

اگر نزاع (جھگڑا) و اختلاف مطلقاً مذموم (برا) ہے اور اہل حق کو بھی اہل باطل کے ساتھ اتحاد پر مجبور کیا جاسکتا ہے تو کیا نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی موجب اختلاف شمار کیا جائے گا کہ ہمارے توحید کی تعلیم سے تمام عرب میں بالچل مچادی، اور اس دعویٰ کے اظہار سے پہلے مذہبی حیثیت سے تمام اہل عرب متحد تھے مگر توحید کے دعویٰ کے بعد سب میں پھوٹ پڑ گئی، مگر یہ اختلاف محمود تھا، کیونکہ ابطال باطل پر (یعنی باطل اور غلط بات کو مٹانے کے لئے) تھا۔

(خلاصہ یہ کہ) نا اتفاقی کی غرض سے اتفاق کرنا تو برا ہے اور اتفاق کی غرض سے نا اتفاقی کرنا جائز بلکہ واجب ہے۔ اسی طرح اگر خدا تعالیٰ سے نا اتفاقی کرنے پر اتفاق ہو یعنی معاصی پر اجماع ہو تو وہ اتحاد سب سے بدتر اتحاد ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ نا اتفاقی کرنا اور مقابلہ کرنا محمود (قابل تعریف) ہے۔

(کمالات اشرفیہ قدیم ص ۱۲۹)

## فساد کے معنی

فساد کے معنی ہیں حالت کا اعتدال شرعی سے نکل جانا اور یہ افتراق ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کبھی اتفاق سے بھی فساد ہوتا ہے پس ایسا اتفاق بھی مذموم ہے۔ قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن ہمیشہ جوڑتا ہی نہیں بلکہ کبھی جوڑتا ہے اور کہیں توڑتا ہے۔ جو لوگ حق پر ہوں ان کے ساتھ وصل کا حکم ہے اور جو باطل پر ہوں ان کے ساتھ فصل کا حکم ہے۔

نا اتفاقی اس واسطے مذموم ہے کہ یہ دین کو مضر ہے اور اگر دین کو مفید ہو گودنیا کو مضر ہو تو وہ مذموم نہیں چنانچہ ایک نا اتفاقی وہ ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا، کیا اس نا اتفاقی کو کوئی مذموم کہہ سکتا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں جو کفار تھے ان میں باہم اتفاق و اتحاد کامل تھا مگر کیا اس اتفاق کو کوئی محمود کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اتفاق کی بنیادیں اکھاڑ کر پھینک دی تھیں کیونکہ یہ اتحاد حق کے خلاف تھا۔

(کمالات اشرفیہ ص ۳۶، ۴۷)

## اختلاف کے محمود و مذموم ہونے کا معیار

خوب سمجھ لو کہ اتفاق صرف اسی وقت مطلوب و محمود ہے جب کہ دین کو مفید ہو، اور نا اتفاقی جب ہی مذموم ہے جبکہ دین کو مضر ہو، اور اگر اتفاق دین کو مضر ہو اور نا اتفاقی دین کو مفید ہو تو اس وقت نا اتفاقی ہی مطلوب ہوگی۔ (کمالات اشرفیہ ۲۶)

## اختلاف کی وجہ سے فریقین اور پوری جماعت سے

### بدگمان ہونا صحیح نہیں

میں یہ نہیں کہتا کہ اس اختلاف میں مولویوں کی خطا نہیں بلکہ ضرور ہے، مگر آپ کی اتنی شکایت ضرور کروں گا کہ اس اختلاف کی وجہ سے سب کو چھوڑ دینا غلط رائے ہے۔ بعض لوگ علماء کو رائے دیتے ہیں کہ سب مولویوں کو متفق ہو جانا چاہئے، نا اتفاقی بری چیز ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا نا اتفاقی علی الاطلاق جرم ہے یا اس کے لئے کوئی قید بھی ہے؟ اگر نا اتفاقی علی الاطلاق جرم ہے اور اس کی وجہ سے ہر فریق مجرم ہو جاتا ہے تو عدالت کو چاہئے کہ جب اس کے پاس کوئی مدعی دعویٰ پیش کرے تو مقدمہ کی تحقیق کے قبل ہی مدعی مدعی علیہ دونوں کو سزا دیا کرے کیونکہ دعویٰ اور انکار سے دونوں میں نا اتفاقی کا ہونا ثابت ہو گیا اور نا اتفاقی علی الاطلاق جرم ہے تو مدعی اور مدعی علیہ دونوں مجرم ہوئے، اگر عدالت ایسا کرے تو سب سے پہلے آپ ہی مخالف ہوں گے اور شور و غل مچائیں گے کہ یہ کون سا انصاف ہے۔

پس علماء کی باہم نا اتفاقی اور اختلاف سے آپ کا سب کو مجرم بنانا اور

ہر فریق سے یہ کہنا کہ دوسرے سے اتفاق کر لو غلط رائے ہے، بلکہ اول آپ کو تحقیق کرنا چاہئے کہ حق پر کون ہے، ناحق پر کون ہے۔ پھر جو ناحق پر ہو اسے مجرم بنائیے اور اس کو اہل حق کے ساتھ اتفاق کرنے پر مجبور کیجئے، ورنہ اہل حق کو دوسروں کے ساتھ مجبور کرنے کے تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ حق کو چھوڑ کر ناحق طریق اختیار کر لیں اور اس کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کر سکتا۔ مولویوں کی شکایت ہم کو بھی ہے مگر صرف ان کی جو ناحق پر ہیں۔ (اسباب الفتنہ ص ۱۳۷ ج ۱۰)

## حق کا تقاضا

فرمایا کہ مقتضائے حق یہی ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو شخصوں میں اختلاف ہو تو اول یہ معلوم کیا جائے کہ حق پر کون اور ناحق پر کون جب حق متعین ہو جائے تو صاحب حق سے کچھ نہ کہا جائے اور صاحب باطل کو اس کی مخالفت سے روکا جائے، چنانچہ نص ہے۔ فَهَاتِلُوا النَّبِيَّ تَبِعِي حَتَّى تَفِيَّ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ (حجرات پ ۲۶) (کمالات اشرفیہ ص ۲۷)

## فیصلہ کرنے اور صلح کرانے کا صحیح طریقہ

فرمایا: اصلاح کے معنی یہ ہیں کہ حکم الہی کے موافق فیصلہ کیا جائے اور صاحب حق کو دباننا حکم الہی کے خلاف ہے، پس صلح کرانے کا طریقہ یہ نہیں جو آج کل رائج ہے کہ دونوں فریق کو کچھ کچھ دبایا جاتا ہے، یہاں تک کہ جس کا حق ہوتا ہے اس کو بھی دبایا جاتا ہے، بلکہ صلح کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ جو ناحق پر ہو اس کو دبایا جائے کیونکہ صاحب حق کو دباننا اضرار (نقصان پہنچانا) ہے، اور غیر صاحب حق کو دباننا اضرار نہیں بلکہ اس میں تو اس کو اضرار (نقصان پہنچانے) سے روکنا ہے

، چنانچہ ارشاد ہے، وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ، (سورۃ حجرات پ ۲۶) مطلب یہ ہے کہ حق کی بنیاد پر صلح کراؤ اور اگر اس پر راضی نہ ہو تو سب مل کر غلط بنیاد کو ڈھا دو۔ (کمالات اشرفیہ ص ۸۱)

## اختلاف کی صورت میں فریقین سے بدگمان ہونا صحیح نہیں

مطلق اتفاق محمود نہیں بلکہ اتفاق کے بعض افراد ناجائز بھی ہیں (اور عام طور پر لوگ بلکہ) عقلمند لوگ بھی اس سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

مثلاً دو مولوی آپس میں لڑتے ہیں اور ایک دوسرے کو ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہیں اب اس میں کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ ایک ایک من ایک سوا من، اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک بالکل خاموش ہے لیکن دوسرا شہنشاہ بازی کرتا ہے، اور اخباروں میں بے ہودہ اور غیر موزوں مضامین شائع کراتا ہے، وعظ وغیرہ کے جلسوں میں لاف اور گزاف سے کام لیتا ہے (یعنی اشاروں کنایوں میں بلکہ صراحتاً بھی برا بھلا کہتا ہے) اب حیرت ہے عقلاء سے کہ وہ دونوں کو برا کہتے ہیں، نا اتفاقی کا الزام دونوں پر عائد کرتے ہیں حالانکہ ایک بالکل خاموش ہے۔ اب یہ کیا کر سکتا ہے، اپنا بولنا اس کے قبضہ میں تھا اس کو چھوڑ دیا اب دوسرے کو تو بند نہیں کر سکتا، اس پر الزام لگانے کے کیا معنی، اولاً تو حق ناحق کی تحقیق کرو پھر جو حق پر نہ ہو اس کو دباؤ۔

دیکھو ایک شخص عدالت میں مقدمہ دائر کرے تو جج صاحب مدعی سے یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ میں تیرا دعویٰ نہیں سنتا جاؤ مخالفت نہ کرو، متفق ہو کر رہو، میں تمہارا مقدمہ خارج کرتا ہوں، کیونکہ تم نا اتفاقی کے مرتکب ہو، اور اگر وہ ایسا کرے تو دیکھئے حکام بالا کی طرف سے ایسی صلح کی کیسی گت بنتی ہے۔ (الاعتصام بحبل اللہ ص ۳۷۴)

## ایک درجہ نا اتفاقی کا بھی مطلوب ہے

### ایسے اتفاق سے دینداروں کو الگ ہو جانا چاہئے

یہ تو اتفاق کے حدود و اسباب تھے، اور میں بتلا چکا ہوں کہ ایک درجہ نا اتفاقی کا بھی مطلوب ہے، وہ یہ کہ کسی جماعت نے معصیت (یعنی گناہ کے کام) پر اتفاق کیا ہو، ان کی مخالفت اور ان سے علیحدگی شرعاً مطلوب ہے، یا اتفاق تو معصیت پر نہ ہوا تھا، لیکن اتفاق کے بعد وہ لوگ معاصی اختیار کرنے لگے (یعنی گناہ کرنے لگے) تو اس وقت دینداروں کو ان سے الگ ہو جانا چاہئے۔

مگر افسوس ہے کہ آج کل جہاں دیندار اور بے دین لوگ کسی کام میں اتفاق کرتے ہیں وہاں بے دین تو اپنے طریقہ پر پختہ ہوتے ہیں اور نہ معلوم دیندار کیوں ڈھیلے ہو جاتے ہیں، بے دین تو وہی کرتے ہیں جو ان کے مذاق کے موافق ہو، اور ان کے مذہب کے موافق ہو، اور ان کی رائے میں مفید ہو، اور دیندار یہ جان لینے کے باوجود کہ یہ کام ہمارے مذہب میں ناجائز یا حرام ہے، یا یہ طریقہ ہمارے نزدیک مضر ہے مفید نہیں، یا یہ کام ہماری جماعت کے مذاق کے خلاف ہے پھر بھی بے دینوں کے ہاں میں ہاں ملائے جاتے ہیں تاکہ اتفاق میں فتور نہ آئے، سبحان اللہ صاحبو! اتفاق تو طرفین سے ہوا کرتا ہے جب دوسری جماعت آپ کے جذبات کی رعایت نہیں کرتی تو اب وہ اتفاق ہی کہاں رہا۔ بس یوں کہو کہ تم ان کی محض خوشامد کر رہے ہو، اگر اتفاق ہوتا تو دوسرے بھی تو تمہاری کچھ رعایت کرتے، مگر لوگوں نے آج کل خوشامد کا نام اتفاق رکھ لیا ہے، اس لئے

علیحدگی اختیار کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ مخلوق طعن کرے گی کہ انہوں نے اتفاق میں کھنڈت (پھوٹ) ڈال دی۔ میں کہتا ہوں کہ تم اس طعن سے کیوں ڈرتے ہو، صاف کہہ دو کہ ہم نے اتفاق کو توڑ دیا اس لئے کہ اتفاق مطلقاً محمود و مطلوب نہیں، بلکہ بعض نا اتفاقی بھی مطلوب ہے جب کہ اتفاق سے دین کو ضرر پہنچ رہا ہو۔

(اصلاح ذات البین بلحقہ آداب انسانیت ص ۲۱۵)

## اتحاد و اتفاق کی عقلاً تین صورتیں

فریقین میں اگر اتفاق ہوگا تو عقلاً اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ صاحب حق اپنا حق چھوڑ دے، اور دونوں باطل پر متفق ہو جائیں یعنی دیندار دین کو چھوڑ کر بددین ہو جائے۔

ایک یہ کہ دیندار تو دین پر قائم رہے اور بددین اپنی بددینی چھوڑ دے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کچھ دیندار تو دین کو چھوڑ دیں، اور کچھ بددین بددینی کو چھوڑ دیں، اس طرح دونوں طرف سے اتفاق ہو سکتا ہے۔

اب عقلاً خود فیصلہ کر لیں کہ ان میں سے کون سی صورت عقل کے مطابق ہے، یقیناً صرف دوسری ہی صورت کو عقل کے مطابق کہا جائے گا کہ دیندار تو دین پر قائم رہیں اور بددین بددینی کو چھوڑ دیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ دیندار کو تو بددین سے نا اتفاقی کا حق ہے مگر بددین کو دیندار سے نا اتفاقی کا حق نہیں، بلکہ اس کو دیندار کے ساتھ اتفاق کرنا چاہئے۔

صاحبو! یہ وہ افتراق ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں پیدا کیا ہے، کیونکہ آپ کی نبوت سے پہلے سب لوگ کفر پر متفق تھے، آپ نے آ کر اس اتفاق

کو توڑ دیا اور باپ بیٹوں کو باہم جدا کر دیا۔

پس یہ بڑی غلطی ہے جس میں آج کل لوگ مبتلا ہیں کہ جہاں دو جماعتوں میں اختلاف دیکھتے ہیں، دونوں پر ملامت کرتے ہیں کہ تم کیسے مسلمان (یا اہل علم) ہو کہ آپس میں اختلاف کرتے ہو، اور دونوں کو باہم اتفاق کرنے پر مجبور کرتے ہیں، جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ دیندار کو دین چھوڑ کر بددین ہو جانا چاہئے، اور صاحب حق حق کو چھوڑ کر باطل طریقہ اختیار کر لے، اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے، بلکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو شخصوں میں اختلاف ہو تو پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون، جب حق متعین ہو جائے تو صاحب حق سے کچھ نہ کہا جائے بلکہ اس کا ساتھ دیا جائے، اور صاحب باطل کو اس کی مخالفت سے روکا جائے۔

(وعظ الانسداد بلحقہ آداب انسانیت ص ۲۰۰)

www.alislahonline.com

## ایک علمی اشکال اور اس کا جواب

جب یہ معلوم ہو گیا کہ نہ اتفاق مطلقاً محمود ہے اور نہ اختلاف مطلقاً مذموم ہے، تو اب اس حدیث پر سوال وارد ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اَبَاكُمْ وَفَسَادِ ذَاتِ الْبَيْنِ، ہی کیوں فرمایا (یعنی باہم فساد سے بچو) کسی جگہ ”ایسا کم و اصلاح ذات البین“ (یعنی باہم صلاح سے بچو) بھی فرمانا چاہئے تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ تر فساد نا اتفاقی سے ہوتا ہے، اتفاق سے فساد کم ہوتا ہے، کیونکہ اتفاق کی حالت میں قوائے سبعیہ بہیمیہ (یعنی بدلہ لینے والے اعضاء) کو سکون ہوتا ہے، ہیجان (جوش) نہیں ہوتا، اور معاصی زیادہ تر قوائے

بہیمہ کے ہیجان سے ہوتے ہیں، تو جب ان کو سکون ہوگا اس وقت معاصی کا صدور کم ہوگا، اور نا اتفاقی میں ان قومی (اعضاء) کے اندر اشتعال و ہیجان ہوتا ہے، اس وقت زیادہ گڑبڑ ہوتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلَا هُمْ فَالَا هُمْ کے لحاظ سے فساد ذات البین (یعنی آپسی اختلاف) کے ضرر پر خصوصیت کے ساتھ متنبہ فرمایا، کیونکہ اس سے واقعی دین کا صفایا ہو جاتا ہے، اور اتفاق اگر معصیت میں بھی ہو تو خاص اس کام میں وہ اتفاق والوں کو نقصان پہنچا دے گا مگر اس کا نقصان دوسروں تک نہ پہنچے گا، بحر حال مذموم اتفاق کے یہ دوست بہت مضر ہوتے ہیں، مگر اس کے باوجود دوستی کے مفاسد بہ نسبت اس دشمنی کے جو نا اتفاقی میں ہوتی ہے، بہت کم ہے، مثلاً دوستی میں ایک دوسرے کی غیبت نہیں ہوتی، اور دشمنی میں غیبت کا بازار گرم ہوتا ہے۔

مثلاً کوئی مسلمان کسی کافر کے اسلام لانے کی کوشش کرے لیکن اتفاق سے وہ کامیاب نہ ہو سکے تو کیا اتفاق کی وجہ سے یہ مسلمان اپنے اسلام کو چھوڑ کر کافر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، اس اتفاق سے تو نا اتفاقی اچھی ہے کہ مسلمان مسلمان تو رہے گا دوستی اور اتفاق چاہے رہے یا نہ رہے۔

(الاعتصام بحبل اللہ ص ۳۷۷)

## اتحاد و اتفاق اور اخوت و الفت بذات خود مقصود نہیں

### بلکہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے

آگے ارشاد ہے لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (حجرات)

(اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو تاکہ اللہ کی طرف سے تم پر رحم کیا جائے) اس میں بتلادیا کہ اخوت (یعنی بھائی چارگی اور باہم اتحاد و اتفاق) سے صرف اخوت ہی مطلوب نہیں، بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب ہے، مگر وہ ایسا مطلوب ہے کہ جب وہ حاصل ہو جاتا ہے تو دنیوی مقاصد بھی ساتھ ساتھ چلے آتے ہیں، یہ نہیں کہ صرف حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی اور دنیا کے مقاصد فوت ہو جائیں گے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ جب بندہ کا خدا تعالیٰ سے تعلق مستحکم (اور مضبوط) ہو جاتا ہے تو دنیاوی تعلقات کے حقوق پہلے سے زیادہ مستحکم (اور مضبوط) ہو جاتے ہیں کیونکہ پہلے تو ان حقوق کو حظ نفس (یعنی نفسانی لذت) کے لئے ادا کیا جاتا تھا، اور حظ نفس اپنی اختیاری شئی ہے جب چاہو اس سے قطع نظر کر لو تو وہ

www.alislahonline.com (الانسداد للفساد و لمحقة آداب انسانیت ص ۴۰۱ تا ۴۰۲)

## اصلاح کس اتفاق سے ہوتی ہے؟

اصول جدیدہ کے موافق تو کامل اتفاق چوروں اور ڈاکوؤں میں ہے یا اور جو بد معاش (غنڈوں) کی جماعت ہے کہ جان مال، دین، آبرو گنوا کر ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں لیکن آج تک کسی مصلح نے نہ تو کسی چور کو انعام دیا نہ کسی ڈاکو کو اتفاق کی وجہ سے آزاد کیا، ہمارے مصلحین قوم کو ضرورت ہے کہ وہ اتفاق کی تقسیم کریں اور ایک قسم کی تو رغبت دلائیں اور دوسری قسم کی نفرت بٹھائیں۔

جس اتفاق سے اصلاح ہوتی ہے وہ وہی اتفاق ہے جس میں باطل کو حق

کے تابع کیا جائے ورنہ وہ اتفاق نا اتفاقی سے بھی زیادہ برا ہو جائے گا۔

حقوق بھی ضائع ہو جاتے ہیں، اور جب حق تعالیٰ کی رضاء کے لئے ان حقوق کو ادا کیا جاتا ہے، اور رضاء حق سے قطع نظر نہیں ہو سکتی، اس لئے دیندار سے زیادہ تعلقات کے حقوق کو کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا (یعنی دیندار شخص زیادہ لوگوں کے حقوق ادا کرتا ہے)

پس یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب اخوت (بھائی چارگی و اتفاق) سے مقصود حق تعالیٰ کی رضا مندی ہوگی اور اخوت مقصود نہ ہوگی تو اخوت کے حقوق کیوں اور کیسے ادا ہوں گے، سو میں نے بتلا دیا کہ اس صورت میں پہلے سے زیادہ حقوق ادا ہوں گے اور جو لوگ دیندار بن کر متعلقین کے حقوق میں کمی کرتے ہیں وہ دین سے ناواقف ہیں، حقیقت میں وہ دیندار نہیں گو دنیا ان کو دیندار سمجھتی ہے۔

بس خلاصہ یہ ہے کہ تم دین کی پابندی کرو انشاء اللہ دوسری قوم میں بھی تم سے خوش رہیں گی اور کامیابی تمہارے قدم چومے گی، یہ طریقہ ہے اتحاد کے قائم رکھنے اور اس کے باقی رکھنے کا، اس کی رعایت کرو گے تو اتحاد باقی رہے گا، ورنہ زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں ہوتا ایسا اتفاق تو چار دن میں ختم ہو جاتا ہے۔

دعاء کیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ ہمیں علم و عمل کی توفیق عنایت فرمائیں آمین۔

(الاخوة ملحقہ التبلیغ ص ۱۲۹ ج ۱۳؛ مطبوعہ دیوبند)

## باب

### اختلاف کے حدود و آداب

#### عدل و انصاف کی ترغیب

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ • بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ •  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ  
شَنَّانُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ  
خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔ (مائدہ پ ۶)

**ترجمہ و تفسیر:** اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے

احکام کی پوری پابندی کرنے والے اور شہادت کی نوبت آئے تو انصاف کی شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم ان کے معاملات میں عدل نہ کرو، ضرور ہر معاملہ میں عدل کیا کرو کہ وہ یعنی عدل کرنا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور تقویٰ اختیار کرنا تم پر فرض ہے چنانچہ حکم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

(بیان القرآن پ ۶ ص ۱۰ ج ۳)

**حد سے تجاوز کرنے والے شخص سے یقیناً مواخذہ ہوگا**

فرمایا: اس دربار میں (یعنی حق تعالیٰ کے شاہی دربار میں) ہر چیز کی میزان

ہے، ہر کام اور ہر بات میں عدل ہے، (مشہور ہے کہ) حجاج اتنا بڑا ظالم گذرا ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمی اس نے بندھوا کر قتل کرائے ہیں، (واللہ اعلم) ایک شخص اس کی غیبت کر رہا تھا ایک بزرگ نے کہا کہ وہاں کسی سے ذاتی عداوت نہیں ہر شئی میں عدل ہے سو جس طرح حجاج سے اس کے ظلم پر مواخذہ ہوگا اسی طرح تم اس پر جو ظلم کر رہے ہو (یعنی غیبت کر رہے ہو) اس کا تم سے مواخذہ ہوگا، وہاں پر ایک عمل کا اثر دوسرے عمل پر نہیں پڑتا۔

لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ اگر ایک شخص سے ہم ناراض ہیں تو اس کی ہر بات سے ہم خفا رہتے ہیں، خدا تعالیٰ کے یہاں یہ بات نہیں، وہاں تو یہ ہے کہ

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ، (پ ۳۰)

(ترجمہ) سو جو شخص دنیا میں ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ وہاں اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ (بیان القرآن)

جو بھی حد سے گزرے گا اسی سے مواخذہ ہوگا جو جس شخص کے معاملہ میں وہ حد سے گذرا ہے وہ بھی مبعوض (اور مستحق عذاب) ہو۔ (ملفوظات حکیم الامت)

## محبت و بغض اور رنج و غصہ میں اعتدال

فرمایا: دین نام ہے حفظِ حدود و شریعت کا (یعنی شرعی حدود پر قائم رہنے کا)

(مکتوبات اشرفیہ ص ۱۳۹)

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عالم سے مخالفت تھی، مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ ان صاحب نے ان کے پیر حضرت ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ کا رد کیا تھا، شیخ اکبر کو عالم خواب میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تجھ کو فلاں عالم سے بغض ہے؟ عرض کیا جی! حضور اس واسطے کہ ان کو میرے شیخ ابو مدین سے بغض ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس عالم کو ہم سے محبت ہے یا نہیں؟ عرض کیا ہے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اس میں دونوں تعلق ہیں تو کیا وجہ کہ تم نے اپنے شیخ کے بغض کے سبب سے تو اس سے بغض رکھا اور ہماری محبت کی وجہ سے اس سے محبت نہ کی، اس تعلق کا کیا حق ادا کیا؟ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ بیدار ہو کر اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے، اور فوراً ان عالم صاحب کے پاس جا کر معافی طلب کی، اس کا یہ اثر ہوا کہ ان عالم صاحب نے حضرت ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ سے معافی طلب کی۔

حضرت والا نے اس واقعہ کو بیان فرمایا کہ مجھ کو اس سے بے حد نفع ہوا، غصہ اور رنج میں اعتدال ہو گیا۔ (سفر نامہ لاہور ص ۷۷)

حدیث شریف میں ہے أحب حبیبک ہونا ماعسی أن یکون بغیضک یو ماماً، و ابغض بغیضک ہونا ماعسی أن یکون حبیبک یو ماماً (رواہ الترمذی باب ماجاء فی الاقتصاد فی الحب والبغض، ص ۲۰ ج ۲)

یعنی محبت و عداوت دونوں اعتدال سے ہونا چاہئے، ممکن ہے کہ حالات پلٹا کھائیں دوست دشمن بن جائیں اور دشمن دوست ہو جائیں۔

(سفر نامہ لاہور ص ۳۶۱)

## اتحاد میں بھی احتیاط چاہئے

اتحاد و اتفاق میں اس کی ضرورت ہے کہ اتنا اختلاط بھی نہ ہو کہ اپنے خاص اسرار (راز کی باتیں) دوسروں سے ظاہر کر دے، کیونکہ ممکن ہے کہ کسی وقت یہ تعلق نہ

رہے، تو پھر ان اسرار (راز کی باتوں) کے ظاہر کرنے کی وجہ سے پچھتانا پڑے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے احب حبیبک ہونا ماعسی ان یکون بغیضک یومامنا، و ابغض بغیضک ہونا ماعسی ان یکون حبیبک یومامنا (ترمذی شریف)، یعنی دوست سے سنبھل کر دوستی کرو، زیادہ میل جول نہ کرو، شاید کسی دن دشمنی ہو جائے تو گھر کے بھیدی کی دشمنی بہت نقصان دیتی ہے، اور اگر کسی کو اپنے دوست کے متعلق عداوت کا احتمال نہ ہو تو وہ اپنے ہی متعلق احتمال رکھے کہ شاید کسی دن میں ہی بدل جاؤں، اس لئے اتفاق میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔

اسی طرح اگر کسی سے عداوت کرو تو وہاں بھی حد کے اندر عداوت کرنا چاہئے، حد سے نہ بڑھے کیونکہ کیا خبر ہے کسی وقت پر دوستی کرنے کی ضرورت ہو تو اس وقت آنکھیں سامنے کرنے سے حیا دامن گیر ہوگی، اور جس کی دوستی دشمنی اعتدال سے ہوگی اس کو کسی وقت بھی پریشانی نہ ہوگی۔

(اصلاح ذات البین للتحقق آداب انسانیت ص ۴۱۴)

## جس پر تم نے احسان کیا ہے اس کے بھی شر سے بچو

کثرت اختلاف سے باہم دوستی ہو جاتی ہے جس میں بعض دفعہ اپنے راز دوسرے پر ظاہر ہو جاتے ہیں، پھر یہ دوست اپنے دوسرے دوستوں پر ان رازوں کو ظاہر کر دیتا ہے، کیونکہ اس کو ان پر ویسا ہی اعتماد تھا جب تم کو اس پر مگر بعض دفعہ ان میں تمہارا کوئی دشمن ہوتا ہے جو راز کو معلوم کر کے تم کو ضرر (نقصان) پہنچا دیتا ہے، نیز بعض دفعہ خود آپ کا دوست ہی بدل جاتا ہے اور دوست جب دشمنی پر آمادہ ہوتا ہے تو وہ اور دشمنوں سے زیادہ (ایذا) دیتا ہے،

اسی لیے عرب کی مثل ہے اِتَّقِ شَرَّ مَنْ أَحْسَنَتْ إِلَيْهِ۔ یعنی جس پر تم نے احسان کیا ہو اس کے شر سے بچتے رہو، اور آج کل یہ کچھ بعید نہیں، اس زمانہ میں دوستی اور محبت اکثر اغراض کے لیے ہوتی ہے جب تک غرض پوری ہوتی رہی دوست ہیں اور جس دن اغراض میں کمی آئی اس دن سے دشمن ہیں، چنانچہ تجربہ ہو گیا کہ جن لوگوں پر پورا اعتماد تھا کہ یہ دوستی سے کبھی نہ بدلیں گے وہ بھی اپنے اغراض میں کسی وقت نقصان دیکھ کر بالکل بدل گئے، اور ایسے بدلے کہ دشمن سے بھی بدتر دشمن بن گئے۔ (التبلیغ و عظة تفضل الطعام ۲۲، ۶۵، خیر المال ص: ۱۱۴)

## دشمن کی نعمت زائل ہو جانے سے خوش ہونا

**فرمایا:** کسی دوست یا دشمن کے زوال نعمت سے (یا کسی مصیبت کے پہنچ جانے سے) اگر اندر سے دل خوش ہو اگرچہ بظاہر اس سے افسوس کا اظہار بھی کیا جائے (لیکن) یہ خوشی چونکہ غیر اختیاری ہے، اور اس کو مذموم بھی سمجھا جاتا ہے اس لئے مصیبت نہیں، البتہ نقص ہے، اس کا علاج بتکلف اس شخص کے لئے دعاء کرنا ہے، بکثرت ایسا کرنے سے انشاء اللہ یہ نقص زائل ہو جائے گا۔ (اور اگر اپنے اختیار سے خوشی کا اظہار کیا جائے تو یہ باطنی مرض اور بہت بڑی مصیبت یعنی گناہ کبیرہ ہے)

(کمالات اشرفیہ ص ۹۸)

## ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر واجب حقوق

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ:

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ بھی حق ہے

کہ اس کو دینی نقصان سے بچائے

ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ بھی حق ہے کہ اس کے دین کا ضرر نہ کرے یعنی اپنی وجہ سے کسی کا دین برباد نہ کرے یہ سب سے مقدم ہے، اس کے بعد آبرو (عزت) کا درجہ ہے پھر جان کا، پھر مال کا، کیونکہ شریف آدمی جان کو مال سے مقدم سمجھتا ہے، اور جان بچانے کے لئے مال کو خرچ کر دیتا ہے مگر عزت و آبرو کو جان سے بھی مقدم سمجھتا ہے، چنانچہ شریف آدمی عزت و آبرو کے لئے جان پر کھیل جاتا ہے، جو شریف دیندار ہوگا اور مسلمان سب ہی دیندار ہیں وہ آبرو اور جان سے زیادہ دین کو سمجھتا ہے چنانچہ دیندار آدمی حفاظت دین کے لئے عزت و آبرو کی پروا نہیں کیا کرتا۔ (خیر الارشاد، التبلیغ ص ۱۲۱ ج ۱۳)

اختلاف کے باوجود ادب و احترام کی ضرورت

ابن العربی اور مجدد الف ثانی کا حال

کسی کے ساتھ اختلاف وغیرہ کچھ ہو مگر ادب یعنی حفظ حدود کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے الحمد للہ میں اس کا خاص خیال رکھتا ہوں کہ امر حق بیان بھی ہو جائے اور کسی کی اہانت بلا ضرورت نہ ہو، مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابن العربی کے اقوال کا زور شور سے رد کرتے ہیں مگر خود ان کو کچھ نہیں کہتے بلکہ ان کو مقبول کہتے ہیں، یہ ہے ادب، مگر ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ابو الحسن اشعری کے باب میں

جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔

جب ملے تو سلام کرو۔

اس کو چھینک آوے اور وہ الحمد للہ کہے تو یسر حکم اللہ کہو، مرجائے تو جنازہ کی نماز پڑھو، دفن کفن میں شریک ہو وغیرہ وغیرہ۔

(حقوق الاسلام بالحقہ اصلاحی نصاب ص ۲۳۶)

یہ حقوق عام لوگوں کے ہیں ان کے بعد کچھ خاص حقوق ہیں، جب کسی صاحب حق میں کوئی خاص خصوصیت ہوتی ہے تو اس کے کچھ خاص حقوق عام حقوق پر بڑھ جاتے ہیں، یہ حقوق مذکورہ تو ہر انسان کے دوسرے انسان پر بندہ ہونے کے حیثیت سے ہیں اب اگر کوئی شخص مسلمان بھی ہے تو اسلام کی وجہ سے اس کا حق اور بڑھ جائے گا۔

www.alislahonline.com

ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی شخص ہمارا پڑوسی ہے تو پڑوس کی وجہ سے اس کا حق بڑھ جائے گا۔

ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی ہمارا محسن بھی ہے جیسے استاد یا پیر (یا مدرسہ کا ناظم، بڑا عالم، شیخ، مسجد کا امام) یا دوست وغیرہ سوا احسان کی وجہ سے ان کے حقوق عام مسلمانوں کے حقوق سے زیادہ ہوں گے۔

(وعظ خیر الارشاد بالحقہ التبلیغ ص ۱۳۷ ج ۱۳)

تنبیہ: جو شخص تم سے ملنے آئے تم کو چاہئے کہ ذرا اپنی جگہ سے کھسک جاؤ گوجلس میں گنجائش نہ ہو، اس میں اس کا اکرام ہے، (بلا مجبوری کے) نہ کسی کی پشت کی طرف بیٹھو، نہ کسی کی طرف پشت کر کے بیٹھو۔

(تعلیم الدین بالحقہ اصلاحی نصاب ص ۲۸۲)

بہت بے باک ہیں جو غلو ہے، اور فرمایا کہ میں بہت ڈرتا ہوں ان فقیروں کو کچھ کہتے ہوئے کیونکہ وہاں یہ کون دیکھتا ہے کہ کون بڑا مولوی ہے، وہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم سے اس بندہ کا کیسا تعلق ہے، ممکن ہے کہ اس متکلم سے اس متکلم فیہ کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ زیادہ صحیح اور قوی ہو، اس لئے ادب کی سخت ضرورت ہے نیز اس میں احتیاط بھی ہے کیونکہ اگر کوئی شخص قابل ادب نہ ہو اور اس کا ادب کر لیا جائے جہاں دین کا کوئی نقصان نہ ہو تو کوئی گناہ نہیں اور اگر قابل ادب ہے اور اسکے ساتھ بے ادبی کی تو اس پر مؤاخذہ ہوگا۔

میں اپنے ادب طبعی کو کیا عرض کروں، ابوطالب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بچپا ہیں تو حضور کے انتساب کی وجہ سے ہمیشہ حضرت ابوطالب زبان پر آتا ہے، باقی عقیدہ جو ہے وہ ہے تو ہر چیز اپنی جگہ پر رہنی چاہئے عقیدہ عقیدہ کی جگہ، ادب ادب کی جگہ۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۳۱۲ ج ۳)

## پہلے لوگوں کا اختلاف

فرمایا: پہلے لوگوں میں بھی اختلاف تھا مگر نفسانیت سے نہ ہوتا تھا۔

(ملفوظات ص ۴۳۹ ج ۴)

پہلے زمانہ کے بدعتی بھی اللہ اللہ کرنے والے ہوتے تھے، مجھ کو اکثر سے ملنے کا اتفاق ہوا، ان میں شرارت نہ تھی، جیسے آج کل کے بدعتی شریر ہیں بلکہ بعضے فاسق اور فاجر تک ہیں، ان کو کبائر تک میں ابتلاء ہے، اور ایک بات ان بزرگوں میں اور بھی تھی کہ دوکان دار نہ تھے اور اہل علم سے نفرت نہ تھی، اہل علم کا ادب اور احترام قلب میں تھا، آج کل کے اکثر بدعتیوں میں یہ سب باتیں مفقود ہیں، اب

تو بدعتی عموماً نہایت ہی بد دین ہیں، دلوں میں اہل علم سے بغض و عداوت ہے، شب و روز فسق و فجور میں ابتلاء ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۲۷۳ ج ۳)

## اچھوں اور بروں، شریفوں اور غیر شریفوں کے اختلاف کا فرق

جہاں مختلف طبیعتوں کے لوگ ہوتے ہیں وہاں اختلاف ہو ہی جاتا ہے بلکہ اچھوں (شریفوں) میں بھی ہو جاتا ہے فرق اتنا ہوتا ہے کہ اچھوں کو اس پر (یعنی اپنی بات پر) اصرار نہیں ہوتا۔

(عہد صحابہ میں ایک مرتبہ) دو شخصوں میں کچھ گفتگو بڑھ گئی ایک مہاجر تھے اور ایک انصاری، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی حضور نے فرمایا یہ ایک گندی بات ہے، تو ان لوگوں کا جوش فوراً کم ہو گیا، اور اس پر تعجب نہ ہو کہ اتنی سی بات میں کیسے جوش کم ہو گیا، اس کا نمونہ اب بھی موجود ہے کہ عرب سب سے زیادہ سخت مشہور ہیں خصوصاً بدوی حضرات کہ ان میں نہایت درجہ جہل ہے، غصہ میں فوراً تلوار نکل آتی ہے لیکن اس کے باوجود (اب بھی) حالت یہ ہے کہ کیسے ہی جوش میں ہوں اور ایک ادنی سا آدمی بیچ میں جا کر کہہ دے کہ یا شیخ صل علی النبی یعنی اے شیخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو، فوراً تلوار کو نیام میں کر لیتے ہیں اور اللہم صل علی سیدنا پڑھنے لگتے ہیں، ایسے نمونے اب بھی موجود ہیں۔ (المال والجاہ ملحقہ حقیقت مال وجاہ ص ۲۶)

دوسرے مشرب والوں کا ادب و احترام اور ان کی رعایت

اختلاف مشرب کے باوجود جو محبت کرے وہ زیادہ قابل قدر ہے

بعض حضرات فرنگی محل سے (حضرت تھانویؒ کی) عیادت کیلئے تشریف

لائے، خلاف معمول خصوصیت کے ساتھ باوجود انتہائی ضعف کے حضرت اقدس تھانویؒ نے چار پائی سے اٹھ کر اول کھڑے ہو کر مصافحہ کیا، پھر یہ فرما کر فرش پر بیٹھ گئے کہ اب یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں چار پائی پر بیٹھا رہوں خواہ آپ کتنا ہی اصرار فرمائیں، وہ حضرات قائلین چھوڑ کر بیٹھنے لگے تو باصرار ان کو اپنے قریب قائلین پر بٹھلایا، ان حضرات نے گاؤ تکیہ لگا لینے پر اصرار کیا تو فرمایا: مجملہ اور امراض کے میرے اندر خود رانی کا بھی مرض ہے، اس معاملہ میں باوجود آپ کے حکم کے مجھے اپنی رائے ہی پر عمل کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی جائے، انہوں نے مکرر عرض کیا کہ حضرت کو اس حالت ضعف و علالت میں تکلیف سے بچانے کی غرض سے یہ عرض کیا گیا (کہ حضرت تکیہ لگالیں) فرمایا کہ بعض امور میں اس تکلیف سے بھی زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

حضرات فرنگی محل میں سے ایک صاحب کو کوئی خاص تکلیف عارض ہو گئی تھی اس لئے انہوں نے حاضر نہ ہو سکنے کی معذرت ان حضرات کے واسطے سے کہلا کر بھیجی، تو فرمایا کہ اجی حضرت میں تو اگر اس قابل ہوتا تو ان کی خدمت میں خود حاضر ہو جاتا، اور اب بھی جب اس قابل ہو جاؤں گا تو انشاء اللہ خود حاضر ہوں گا، وہ اس حالت عذر میں تکلیف نہ فرمائیں، دوران گفتگو حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ آپ حضرات کی عنایات اور اخلاق کا حال تو میں اپنے احباب میں بیٹھ کر اکثر بیان کرتا ہوں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ان حضرات نے عرض کیا کہ جی تو یہاں سے جانے کے لئے نہیں چاہتا لیکن حضرت کو اس حالت ضعف و علالت میں زیادہ تکلیف دینا بھی گوارا نہیں اس لئے بادل نا خواستہ جانے کی اجازت چاہتے ہیں۔ رخصت کے وقت حضرت اقدس نے فرمایا کہ پلنگ پر سے نیچے پاؤں

ٹکا کر اٹھنا اور فرش پر بیٹھ جانا تو آسان تھا (لیکن) اب فرش پر سے اٹھنا بوجہ ضعف ہو جانے کے بہت دشوار ہے۔ اس لئے معاف فرمائیے گا، نزول تو آسان تھا عروج مشکل ہے۔

ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ جو ہم مشرب ہیں ان کو تو خیر محبت ہے ہی اور ان کی محبت بھی بہت قابل قدر ہے، لیکن اختلاف مشرب میں جو محبت کرے وہ زیادہ قابل قدر ہے، ان حضرات کی رعایتیں دیکھئے خود تشریف لانا، پھر مختصر جلسہ کرنا (یعنی تھوڑی دیر بیٹھنا) تاکہ تکلیف نہ ہو اور پھر یہ محض تکلف سے نہیں بلکہ دل سے کیونکہ جو برتاؤ دل سے ہو وہ چھپا نہیں رہتا، جب اتنی رعایتیں ہیں تو آخر کیا دوسرے آدمی کو جس نہیں کہاں تک اثر نہ ہو۔ (اپنے مخالف مشربوں کے ساتھ ہم کو بھی ایسا ہی برتاؤ اور رعایت کرنی چاہئے) اللہم وفقنا۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۳۰۰ ج ۵ ق ۳)

www.alislahonline.com

بزرگوں اور بڑوں کے ادب و احترام کی اہمیت اور اس کا فائدہ

### حضرت تھانویؒ کا اپنے بڑوں کے ساتھ ادب و احترام

فرمایا: یہ خدا تعالیٰ کی نعمت اور اس کی دین ہے کہ ایسے مفید علوم قلب پر وارد ہو جاتے ہیں جس کا ظاہری سبب جو مجھ کو اب معلوم ہوتا ہے اور جو چیز مجھ کو اب محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے بزرگوں کا ادب اور ان کی اطاعت ہمیشہ کی ہے اور ان کی لغزشوں (غلطیوں) پر کبھی نظر نہیں کی۔ اگر کسی بزرگ سے کبھی کوئی لغزش بھی ہوئی تب بھی ان کے ساتھ ادب ہی سے پیش آیا، وعظ میں تو سب کی

غلطیوں کا رد نام کا اظہار کئے بغیر کر دیتا تھا لیکن ان کی خاص مجلس میں جب کبھی حاضری کا اتفاق ہوتا ہمیشہ ادب سے گردن جھکا کر ہی بیٹھتا اور دل سے سمجھتا کہ یہ میرے بزرگ ہیں، اور خواہ کوئی کسی بھی مشرب کا ہو لیکن ہو درویش (صوفی) یعنی اللہ اللہ کرنے والا، دکاندار (فاسق) نہ ہو اس کی بھی میں نے دعائی ہے، غرض اللہ اللہ کرنے والوں کا میں نے ادب ہی کیا ہے، کبھی ان کا دل نہیں دکھایا بلکہ ہمیشہ دعائیں ہی لیں، یہاں تک کہ اپنے ماموں صاحب سے بھی جن سے مشرب کا اختلاف ہونے کی وجہ سے قطع تعلق تک کرنا پڑا (لیکن ان کے ساتھ بھی) کبھی بے ادبی کا برتاؤ نہیں کیا مگر وعظوں میں اس مشرب کا ہمیشہ رد کرتا رہا۔

غرض میں نے ہمیشہ بزرگوں کا ادب کیا اور ان کی دعائیں لیں اور ان دعاؤں ہی کی برکت ہے جو آج یہ مفید باتیں ذہن میں آجاتی ہیں، اور اللہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنی حالت جو میں دیکھتا ہوں تو کوئی چیز اپنے اندر نجات کی نہیں پاتا سوائے ضعیف ایمان کے، پھر بھی جو یہ علوم و حقائق اور مفید باتیں قلب پر وارد ہو جاتی ہیں تو یہ بزرگوں کی دعاؤں کی اور ان کا ادب کرنے کی برکت نہیں تو اور کیا ہے، اور واقعی بزرگوں کا ادب ہے بھی بہت ضروری عمل، مگر اللہ اللہ کرنے والے ہوں، خواہ وہ کسی بھی مشرب کے ہوں، حتیٰ کہ اگر کسی غلطی میں بھی مبتلا ہوں اس حالت میں بھی ان کا اتباع تو نہ کرے لیکن ان کی شان میں کوئی گستاخی بھی نہ کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو والد کے کفر کو بھی مانع ادب نہیں سمجھا حالانکہ صرف بت پرست ہی نہیں تھے بلکہ بت تراش بھی تھے لیکن پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ان کو نصیحت کرتے ہیں تو یأبأبت یاأبأبت کہہ کر خطاب

فرماتے ہیں یعنی اے میرے ابا، اے میرے ابا، یہ ادب نہیں تو اور کیا ہے۔ اور ادب میں کوئی باپ ہی کی تخصیص نہیں ہے، بڑی عمر کا کوئی بھی آدمی ہو سب کا ادب کرنا چاہئے، لیکن خلاف شرع امور میں ان کا اتباع نہ کرنا چاہئے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۳۰۹ ج ۵، قسط ۳)

## ہمارے اسلاف اور بزرگوں کی شان

پہلے بزرگوں کی یہ حالت تھی کہ جب ہمارے حاجی (امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی) صاحب نے اس مسجد (پیر محمد والی) میں قیام کا ارادہ کیا..... حاجی صاحب کے بیٹھنے سے پہلے اس مسجد میں ایک بزرگ حسن شاہ رہتے تھے، وہ صاحب سماع (بدعتی) تھے مگر سچے آدمی تھے، دکاندار نہ تھے، جب انہوں نے حضرت حاجی صاحب کو یہاں قیام کرتے دیکھا تو وہ اپنا بستر لپیٹ کر شاہ ولایت میں جا پڑے اور فرمایا کہ اب بستی میں کامل شیخ آ گیا، اس کے سامنے مجھے بستی میں رہنے کی ضرورت نہیں، وہ جنگل میں جا بسے اور وہیں زندگی کے دن پورے کر دیئے، واللہ میں تو اس ادا کا عاشق ہوں، افسوس اب ہمارے اندر یہ باتیں نہیں رہیں۔

(ارضاء الحق ملحقہ تسلیم و رضاض ۱۵۴)

## شیخ شمس الدین کی حکایت

اسی طرح حضرت شیخ شمس الدینؒ ترک پانی پتی شیخ علی احمد صابر کے حکم سے پانی پت تشریف لائے اور یہاں قیام کا ارادہ کیا تو پانی پت میں شاہ بوعلی

قلندر پہلے سے موجود تھے، انہوں نے اپنے ایک مرید کے ہاتھ کٹورے میں پانی بھر کر شیخ شمس الدین کے پاس بھیجا، شیخ شمس الدین نے اس پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا، لوگ اس رمز (اشارہ) کو نہ سمجھے، تو انہوں نے قلندر شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی؟ فرمایا کہ میں نے شیخ شمس الدین سے یہ کہا تھا کہ پانی پت میرے اثر سے ایسا بھرا ہوا ہے جیسے یہ کٹورا پانی سے بھرا ہوا ہے اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں، آپ یہاں فضول تشریف لائے، تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں یہاں اس طرح رہوں گا جیسے پانی پر پھول رہتا ہے کہ پانی کی جگہ کو نہیں گھیرتا، یعنی میں آپ کے اثر میں تصرف نہ کروں گا، اس کے بعد شاہ بوعلی قلندر خود ہی ہستی کو چھوڑ کر جنگل کی طرف تشریف لے گئے، گویا حضرت شیخ شمس الدین کو اجازت دیدی کہ تم جس طرح چاہو تصرف کرو، اب ہماری ضرورت نہیں رہی کیونکہ دوسرا صاحب کمال آ گیا ہے۔

(ارضاء الحق ملحقہ تسلیم و رضاض ۱۵۵)

ہم لوگوں میں یہی باتیں نہیں ہیں جس کی وجہ سے

ہم باہمی اختلاف کے شکار ہیں

ہمارے اندر یہی باتیں تو نہیں رہیں بلکہ اس کے بجائے تحزب اور گروہ بندی کا مرض آ گیا ہے، اگر ہم کو نفع خلق (یعنی مخلوق کو نفع پہنچانا) مقصود ہوتا تو دوسرے نفع پہنچانے والوں سے انقباض نہ ہوتا بلکہ خوشی ہوتی کہ اچھا ہوا اس نے میرے اوپر سے بوجھ ہلکا کر دیا، اب میں دین کا کوئی دوسرا کام کروں جس کو کوئی نہ

کر رہا ہو۔ نیز اگر مخلوق کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا تو جس شخص کے ہاتھ سے بھی دین کا نفع پہنچتا ہم اس سے خوش ہوتے اگرچہ وہ ہمارے بزرگوں سے بعض مسائل فرعیہ میں اختلاف ہی رکھتا ہوتا، کیونکہ مسائل فرعیہ (یعنی جزوی اختلاف) تو اہل حق میں شروع سے چلا آ رہا ہے کوئی نئی بات نہیں، مگر ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ہمارے بزرگوں سے کسی عالم کو کسی مسئلہ میں بھی اختلاف ہو تو چاہے اس سے دین کا فیض ہمارے بزرگوں سے بھی زیادہ ہو رہا ہو اس سے خوش نہ ہوں گے اور نہ اس کے مرنے پر حسرت و رنج ہوتا ہے بلکہ کسی درجہ میں خوشی ہی ہوتی ہے، میں کہاں تک معیارات بیان کروں، اگر ہمارے اندر دین ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ ان کسوٹیوں پر نہیں کسا جاتا بس جہاں تک اپنی حالت میں غور کرتے ہیں حسرت ہی ہوتی ہے، اور زیادہ حسرت اس کی ہے کہ حسرت بھی پوری طرح نہیں ہوتی۔

صاحبو! یہ سب آثار اسی کے ہیں کہ ہم رضاء خلق کو (یعنی مخلوق کی رضامندی کو) رضاء حق پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ بڑا مرض ہے جو شرک کا شائبہ ہے کیونکہ اسی سے ریا پیدا ہوتا ہے اس لئے کی ریا کی حقیقت مقصودیت خلق (یعنی مخلوق کو مقصود بنانا) ہے اور جو شخص رضاء خلق (یعنی مخلوق کی رضامندی) کا طالب ہوگا اس سے زیادہ مقصودیت خلق (یعنی مخلوق کو مقصود بنانا) کس میں ہوگا، پس ریا بھی اس مرض کی فرع ہے اور ریا کو حدیث میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ توحید مطلوب کے مختلف درجات ہیں ایک توحید اعتقادی ہے کہ حق تعالیٰ کو ذات و صفات میں واحد و یکتا سمجھنا، اس درجہ کا عنوان لامعبود الا اللہ ہے، اور بجز اللہ توحید کا یہ درجہ سب مسلمانوں کو حاصل ہے، اس کا مقابل شرک اعتقادی ہے، اس شرک سے تو سب مسلمان محفوظ ہیں۔

اور ایک تو حیدِ قصدی ہے کہ حق تعالیٰ کو قصد میں بھی یکتا اور واحد سمجھے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو مقصود و مطلوب نہ بنائے، اس درجہ کا عنوان لامقصد الا اللہ ہے، اس درجہ میں بہت لوگ کوتاہی کر رہے ہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور تو حید کے اس درجہ کے بالمقابل شرکِ قصدی ہے، یعنی غیر حق کو مقصود و مطلوب بنانا، اور اسی شرک کا ایک فرد یا بھی ہے، اور تو حید کے یہ دونوں درجے مطلوب ہیں۔

(ارضاء الحق ملاحظہ تسلیم و رضاص: ۱۵۵، ۱۵۶)

میں کہہ رہا تھا کہ رضاءِ خلق (یعنی مخلوق کی خوشنودی) پر نظر رکھنا شرک کا ایک فرد ہے، خواہ اصغر ہی ہو کیونکہ ریا اسی کی فرع ہے اور اس کو احادیث میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے، پس یہ نہایت سخت مرض ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ تو حیدِ قصدی حاصل کرو، اور مراقبہ ذکر سے لامقصد الا اللہ کو اپنے اوپر غالب کرو، اس کے بعد انشاء اللہ تم رضاءِ خلق کو رضاءِ حق پر ہرگز ترجیح نہ دو گے۔

(ارضاء الحق ملاحظہ تسلیم و رضاص: ۱۶۱)

مظلوم کے لئے حکایت و شکایت کی اجازت ہے لیکن  
معمولی بات کو ہر جگہ گاتے پھرنا ظلم کے مترادف ہے

اگر کسی نے کسی کو ستایا ہو اور وہ اس کا بدلہ (اس طرح) نکالے کہ لوگوں سے اس کی شکایت و غیبت کرے تو ایسے وقت یہ شخص اس کی غیبت میں معذور ہے، اور قرآن سے بھی کسی درجہ میں اس کی اجازت ملتی ہے، (حق تعالیٰ) فرماتے ہیں لَا يَحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ (پ ۶ نساء) بری بات کو ظاہر کرنا خدا پسند نہیں کرتا مگر مظلوم کو اجازت ہے کہ ظالم کی شکایت کرے، لیکن اس کی بھی خاص حد

تک اجازت ہے یہ تھوڑا ہی ہے کہ ایک دن اس نے ایک بات کہہ دی تھی اس کی وجہ سے ساری عمر کے لئے دھندالے بیٹھے (جب دیکھو اور جس سے دیکھو اس کی برائی اور غیبت کرنے لگے) اس کی بھی ایک حد ہے وہ حد یہ ہے جو حدیث شریف میں آئی ہے الْبَادِي أَظْلَمُ مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ (ترمذی)۔ جو شروع کرتا ہے زیادہ ظالم وہی ہے جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے، لیکن اگر یہ حد سے نکل جائے تو یہ بھی ظالم ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہر شئی کی ایک حد ہوتی ہے اس سے تجاوز جائز نہیں پس یہ دیکھو کہ اس نے کتنا ستایا تھا اور کتنی تکلیف دی تھی پھر شرعی استفتاء طلب کرو کہ ایک شخص نے مجھ کو اتنی تکلیف پہنچائی ہے اس کی شرعی سزا کیا ہونا چاہئے اور کہاں تک بدلہ لینا جائز ہے، اور پوچھو بھی کسی محقق سے جو وہ بتلا دیں اس سے اپنے دل کی بھر اس نکالو، یہ تھوڑا ہی ہے کہ ظالم کی غیبت کو ساری عمر کا وظیفہ بنا لو خواہ اس بیچارے نے اس کا تدارک بھی کر لیا ہو قول سے یا فعل سے، قول سے تو یہ ہے کہ معاف کر لیا اور فعل سے یہ کہ برتاؤ ایسا کرنے لگا جو معذرت پر دلالت کرے

www.alislahonline.com

۔ (وعظ رطوبة اللسان ملاحظہ ذکر قرص ۱۲۶ ج ۲۳)

باہم لڑنے والوں سے دوسرے حضرات کیا برتاؤ رکھیں

باہم اختلاف کا ایک اور نقصان

ایک بڑی پریشانی بے تعلق لوگوں کو پیش آتی ہے کہ ان لڑنے والوں سے ملیں یا نہ ملیں چنانچہ اسی (قسم کے ایک) واقعہ میں بعض لوگ میرے پاس آئے اور پوچھا کہ یہاں ایسا ناجائز قصہ ہوا ہے ہم کو ان سے ملنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ یہ بھی بہت غنیمت ہے کہ یہاں کے مسلمانوں نے سوال تو کیا ورنہ بعض قصبات

میں تو لوگ سوال بھی نہیں کرتے، میں یہاں کے لوگوں کی دینداری کی تعریف کرتا ہوں کہ یہاں ابھی تک دین کا خیال باقی ہے چنانچہ بعض لوگ یہ پوچھنے آئے کہ ہم کو ان ناجائز کام کرنے والوں سے ملنا جائز ہے یا نہیں؟ میری عادت تشدد (سختی) کی نہیں ہے گو بعض دفعہ اس کی بھی ضرورت ہوتی ہے، بغیر سختی کے بعض لوگوں میں خوبی اور کمال پیدا نہیں ہوتا، جس پر ابتداء میں سختی نہ ہوئی ہو اس کے اخلاق درست نہیں ہوتے، اور وہ کمالات سے محروم رہتا ہے، آج جو لوگ با کمال کہلاتے ہیں ان پر کسی وقت ضرورت سختی ہوئی ہے، پھر آج اس سختی کا یہ نتیجہ ہے کہ تعزیرات شرعیہ (یعنی شرعی قانون) میں بھی اہل عزت اور تعلیم یافتہ طبقہ کے ساتھ رعایت کا حکم کیا جاتا ہے، یعنی اگر ان سے کوئی خطا ہو جائے تو شرعی حکم ہے کہ **اِقْبِلُوا ذَوِي الْهَيْبَاتِ عَشْرًا تَهْمُ** کہ ان کو سزا نہ دو بلکہ عدالت میں بلا کر برسر اجلاس بلا کر دھمکا دیا کرو کہ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے، شریف و معزز آدمی کے لئے یہی سزا بہت ہے۔

سو آج یہ رعایت اس سختی کا اثر ہے جو بچپن میں ان پر ہو چکی ہے مگر یہ حکم تعزیرات کا ہے اور حدود میں کسی کے ساتھ رعایت نہیں بلکہ وہاں تو سفارش بھی جائز نہیں۔

بہر حال بعض دفعہ سختی کی ضرورت ہوتی ہے اس سے پہلے جو یہاں میرے ایک دوست کا بیان ہوا تھا لوگوں نے ان کو تشدد (سختی) کہا، مگر ان پر اعتراض نہیں ہو سکتا، ان کی رائے میں اسی سختی کی ضرورت تھی، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اگر میں تشدد (سختی) سے بھی کام لیتا تو ان سے کم ہی کہتا لیکن میں نے تشدد سے کام ہی نہیں لیا کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ گو تشدد (سختی) کی بعض جگہ ضرورت ہوتی ہے، مگر بعض طبیعتیں اس سے اچھٹی ہیں، اور ان پر الٹا اثر ہوتا ہے، اور نرمی کا اثر اچھا ہوتا ہے۔

اس لئے میں نے ان سوال کرنے والوں سے یہ نہیں کہا کہ اپنے گنہگار بھائیوں سے نہ ملو، بلکہ یہ کہا کہ جاؤ ملو مگر ان کو سمجھاؤ، تو اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ باوجود اجازت دینے کے بھی نہ ملے کیونکہ اجازت کے ساتھ جو یہ شرط لگادی گئی تھی کہ ان کو سمجھاؤ اس شرط کے پورا کرنے پر انہوں نے اپنے کو قادر نہ دیکھا اس لئے ملے ہی نہیں، تو دیکھئے دو شخصوں کی عداوت سے دوسرے لوگوں کو یہ تنگی پیش آئی، اور بعض لوگوں کو یہ تنگی پیش آئی کہ وہ ان سے نہ ملنے پر قادر نہ تھے کیونکہ ان کی طبیعت ضعیف تھی، پھر وہ رات دن ایک ہی جگہ رہتے تھے ان سے نہ ہوسکا کہ پاس رہتے ہوئے بھی نہ ملیں اس لئے وہ ان سے ملے اور ان لوگوں کو گناہ ہوا۔ کیونکہ انہوں نے مل کر کچھ تشدد نہیں کیا (نہ سمجھایا) نہ اس فریق کی خلاف شرع حرکتوں سے ناگواری ظاہر کی، گوان کی طبیعت کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ان کو ان لوگوں سے کم گناہ ہوا جو باوجود قدرت کے بغیر تشدد کے اسی طرح ملتے رہے جیسے پہلے ملا کرتے تھے، اس لئے دونوں کی سزا میں بھی فرق ہوگا۔

تو فساد سے کتنی بڑی خرابی ہوئی کہ اس کی وجہ سے ایسے اسباب جمع ہو گئے کہ بعض بے گناہ بھی گناہ میں مبتلا ہو گئے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص کسی بستی میں گناہ کر کے رہتا ہے لوگ اس کو دیکھتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں، اس سے کنارہ کشی نہیں کرتے، نہ اس پر سختی کرتے ہیں تو اس شخص کی وجہ سے سینکڑوں بے گناہ عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں۔

(اصلاح ذات البین بلحقہ آداب انسانیت ص ۳۵۲)

## ضرورت کے موقع پر سختی کی بھی اجازت ہے

اگر کسی شخص کی اصلاح سختی پر موقوف ہو تو وہاں سختی کی بھی اجازت ہے مگر اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مرہم سے کام لو (یعنی نرمی کرو) اگر مرہم سے کام نہ چلے بلکہ آپریشن ہی کی ضرورت ہو تو آپریشن کرو، مگر چند ماہروں کو مشورہ میں شریک کر لو، گو وہ تم سے چھوٹے ہی ہوں، جیسے ڈاکٹر آپریشن کے وقت اسٹنٹ کو بھی بلا لیتا ہے حالانکہ وہ درجہ میں اس سے چھوٹا ہے۔

(التبلیغ ص: ۹۸)

شاید اس سے کوئی صاحب یہ نتیجہ نکالیں کہ جب شریعت نے سختی کو بھی علاج بتلایا ہے تو بس آج سے ہم بھی سختی کیا کریں گے، تو صاحبو! خدا سے سابقہ ہے حق تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے وہ نیت کو دیکھتے ہیں پس اپنے دل میں سختی کے وقت خود غور کر لو کہ ہم جو اس شخص کو سزا دے رہے ہیں اس میں کیا نیت ہے؟ آیا اپنا شفاء غیظ (یعنی غصہ کو ٹھنڈا کرنا) مقصود ہے یا اس کی اصلاح؟

بھلا عوام و رؤساء تو اصلاح کی نیت کیا کرتے معلم اور استاد جن کا کام ہی اصلاح ہے اور بچے ان کے سپرد کئے جاتے ہیں اصلاح ہی کے واسطے وہ بھی بعض دفعہ غصہ میں بچوں کو خوب مارتے ہیں، اس وقت اصلاح کا ارادہ بالکل نہیں ہوتا، بیوی سے لڑ کر آئے تھے اور غصہ بچوں پر نکالا۔

اے صاحبو! یہ ضرور ہے کہ اصلاح کے لئے سختی کی بھی اجازت ہے اگر ضرورت ہو، مگر اس کے لئے یہ قید بھی ہے کہ غصہ کی حالت میں سزا نہ دی جائے کیونکہ غصہ میں ضرورت کی مقدار کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔

## سزا دینے اور سختی کرنے کا طریقہ

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کا دستور العمل بیان فرمایا ہے لَا يَقْضِيَنَّ قَاضٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضَبَانٌ (مشکوٰۃ شریف) یعنی حاکم کو چاہئے کہ غصہ کی حالت میں کبھی فیصلہ نہ کرے بلکہ اس وقت مقدمہ کو ملتوی کر دے، اور یہاں حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی دو آدمی پر بھی حکومت ہو اس میں معلم اور استاد بھی داخل ہے اور گھر کا مالک بھی، کیونکہ اپنے گھر میں بھی ہر شخص حاکم ہے اور رؤساء و حکام تو داخل ہیں ہی، پس غصہ کی حالت میں کبھی سزا نہ دو بلکہ اس وقت کو ٹال دو اور بعد میں خوب سوچو کہ یہ عمل (یعنی یہ غلطی) کتنی سزا کے قابل ہے پھر سوچ سمجھ کر سزا دو، مگر سزا کی مقدار بھی کسی عالم (وفقی) سے پوچھو اپنی رائے سے تجویز نہ کرو، اور عالم کو بھی چاہئے کہ جواب جلدی نہ دے بلکہ سوچ سمجھ کر جواب دے اور جو مسئلہ پیچیدہ ہو اس کا جواب زبانی کبھی نہ دیں۔

(الغرض غصہ میں کبھی سزا نہ دیں) مگر یہ میاں جی لوگ مانیں گے نہیں کیونکہ سوچ کر سزا دینے میں مزہ نہیں آتا مزہ تو غصہ ہی میں مارنے سے آتا ہے اور قیامت میں جب آپ کو سزا ملے گی تو مظلوموں کو مزہ آئے گا، اس لئے ہمیشہ غصہ کو ٹال کر سزا دو اور کسی عالم سے سزا کی مقدار معلوم کر کے جتنی وہ بتلا دے اتنی سزا دو، اسی طرح رؤساء اور حکام کو بھی علماء سے پوچھ کر فیصلہ کرنا چاہئے اپنی رائے سے فیصلہ نہ کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ طیب ناواقف (اناڑی ڈاکٹر) اور جاہل فیصلہ کرنے والا دونوں جہنم میں ہیں گوان کی نیت درست ہی ہو مگر خوش نیتی سے کام نہیں چلتا، یہاں علم کی ضرورت ہے۔ (الاخوة التبلیغ ص ۹۴، ۹۳)

## غصہ اور انتقام اللہ کے لئے نہ کہ شفاءِ غیظ کے لئے

### حضرت علیؑ کی حکایت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک دفعہ معرکہ جہاد میں ایک یہودی کو چھوڑ لیا اور سینہ پر بیٹھ کر زنج کرنا چاہا، یہودی نے آپ کے چہرہ پر تھوک دیا، تو فوراً چھوڑ کر کھڑے ہو گئے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ یہودی کو چھوڑ کر الگ ہو گئے تو اس نے سوال کیا کہ حضرت دشمن پر قابو پا کر اور اس کی گستاخی دیکھ کر چھوڑ دینا تعجب خیز ہے، فرمایا: گستاخی ہی کی وجہ سے چھوڑ دیا، کیونکہ اس سے پہلے تو میں اللہ کے واسطے مار رہا تھا اور گستاخی کے بعد نفس کو ہیجان اور انتقام کا جوش ہوا، اب میرا تجھے مارنا خالص اللہ کے واسطے نہ ہوتا بلکہ اس میں شفاءِ غیظِ نفس (یعنی نفس کے غصہ کو ٹھنڈا کرنا) بھی شامل ہوتا، اس کو میں نے گوارا نہ کیا، کیونکہ یہ شانِ اخلاص کے خلاف تھا، یہ سنتے ہی یہودی ایمان لے آیا۔

صاحبو! ہمارے امر بالمعروف میں اثر نہ ہونے کی یہ بھی وجہ ہے کہ ہمارے اندر خلوص نہیں، ہمارے سب وعظ و نصائح اپنی بڑائی ظاہر کرنے (یا دوسروں سے انتقام اور شفاءِ غیظِ نفس) کے لئے ہوتے ہیں، ورنہ اخلاص ہو تو ضرور اثر ہوتا ہے۔

(اصلاح ذات البین بالحقہ آداب انسانیت ص ۳۵۵)

## باب

### اختلافات ختم کیجئے، مرنے کی تیاری کیجئے

### حضرت اقدس تھانویؒ کی امت سے درخواست

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں:

(درخواست) خود بھی ملاحظہ فرمائیے اور جہاں تک ممکن ہو دوسروں کو بھی

دکھلا کر ثواب لیجئے میری حیات میں بھی اور بعد حیات بھی۔

بعد الحمد والصلوة، اس تحریر کا باعث یہ ہے کہ راقم (اشرف علی) کی عمر اس

وقت ساٹھ ستر کے بیچ میں ہے، جو حدیث کی رو سے امت محمدیہ کی عمر کا اکثر کے

اعتبار سے گویا اختتام ہے اور ایسے وقت میں دوسرے اوقات سے بہت زیادہ

آخرت کی تیاری کی ضرورت ہے، اور یہ تیاری ایمان کے بعد اعمال کی درستی ہے،

اور ان اعمال میں سب سے زیادہ اہم حقوق العباد کی صفائی ہے، اور اس صفائی کی

صرف دو صورتیں ہیں ایک ادائیگی اور دوسرے معافی، بحمد اللہ قابل ادا حقوق میں تو

کبھی قصداً کوتاہی نہیں کی گئی، البتہ معافی کے قابل حقوق میں یعنی اہل حقوق سے

معافی چاہنے میں کوتاہی یقیناً رہی، اور اس میں عموماً لوگوں کو ابتلاء ہے اس لئے

واجب ہے کہ اس فریضہ کو اہتمام سے ادا کیا جائے، اسی مقصد کے پیش نظر

چند احادیث اور اس کے ساتھ خطاب پیش کروں گا۔ وباللہ التوفیق۔

(اشرف السوانح ص ۱۲۸ ج ۳)

## وقت آنے سے پہلے معافی تلافی کرا لیجئے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے ذمہ کسی (مسلمان یا انسانی) بھائی کا اس کی (عزت) آبرو کے متعلق یا اور کسی قسم کا کچھ حق ہو وہ اس سے آج معاف کر لے ایسے وقت سے پہلے کہ اس وقت نہ اس کے پاس دینار ہوگا نہ درہم ہوگا، اگر اس کے پاس کچھ عمل صالح ہوگا تو اس کے حق کے بقدر صاحب حق کو دے دیا جائے گا، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس کے فریق کے گناہ لے کر اس پر لاد دیئے جائیں گے۔

(روایت کیا اس کو بخاری نے مشکوٰۃ شریف باب الظلم)

اس حدیث کی بنا پر احقر اشرف علی تمام ان حضرات کی خدمت میں جن کا کوئی حق میرے ذمہ ہو خواہ وہ حق مالی ہو جس کا احتمال ضعیف و قلیل (یعنی بہت کم) ہے سوائے ایک حق کے کہ بعض خطوط میں جواب کے لئے ٹکٹ آتے ہیں اور کاتب کا پورا پتہ نہیں ہوتا، انتظار کے بعد میں ان ٹکٹوں کو لفظ کے مصارف میں صرف کر دیتا ہوں، مگر نیت ہے کہ اگر ٹکٹ والے اس صرف کو جائز نہ رکھیں تو ٹکٹ مجھ سے لے لیں حاضر کروں گا۔

یا اس کے علاوہ کوئی اور حق ہو جو مجھ کو یاد نہ ہو اس کے ادا کرنے کے لئے بھی حاضر ہوں، اور ہر حال میں یہ شرط ہے کہ مدعی کا صدق میرے دل کو لگ جائے۔

اور خواہ وہ حق غیر مالی ہو جیسے کہ کسی کو ناحق کچھ کہہ دیا ہو خواہ سامنے یا پیٹھ پیچھے، خواہ ابتداءً ایسا ہو یا انتقام میں حد مساوات سے تجاوز ہو گیا ہو، یا کسی کو ناحق

جسمانی ایذا پہنچائی ہو، اور ایسے غیر مالی حقوق کا احتمال قوی اور کثیر (یعنی بہت زیادہ) ہے، ان سب اہل حقوق کی خدمت میں دست بدست نہایت لجاجت و سماجت سے درخواست کرتا ہے کہ ان حقوق کا خواہ مجھ سے عوض لے لیں بشرطیکہ مدعی کا صدق (یعنی دعویٰ کرنے والے کا سچا ہونا) میرے دل کو لگ جائے، اور خواہ حسبہً للہ (اللہ واسطے) معاف فرمادیں میں دونوں حالتوں میں ان کا شکر گزار ہوں گا کہ مجھ کو آخرت کے محاسبہ سے بری فرمایا، اور معافی کی صورت میں دعا بھی کرتا رہوں گا کہ میرے ساتھ یہ احسان فرمایا۔ (اشرف السوانح ج ۱۳۹ ص ۳۷)

## معافی و تلافی کی فکر

### حکیم الامت حضرت اقدس تھانویؒ کا اعلان

فرمایا: میں اپنے سب دوستوں سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے صغیرہ و کبیرہ سب گناہوں کے لئے استغفار فرمادیں، اور جو میرے اندر عادات و اخلاق ذمیمہ ہیں ان کے ازالہ کی دعاء کریں۔

میرے بعض اخلاق سیئہ کے سبب بعض بندگان خدا کو حاضرانہ و غائبانہ (یعنی سامنے یا پیٹھ پیچھے) میری زبان و ہاتھ سے کچھ تکلیفیں پہنچی ہیں اور کچھ حقوق ضائع ہوئے ہیں، خواہ اہل حقوق کو اس کی اطلاع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، میں نہایت عاجزی سے سب چھوٹوں بڑوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اللہ کے واسطے دل سے ان کو معاف فرمادیں، اللہ تعالیٰ ان کی تقصیرات (لغزشوں) سے درگزر فرمادیں گے، میں بھی ان کے لئے یہ دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو داریں میں

عفو و عافیت عطا فرمادیں، معذرت کرنے والے کی کوتاہیوں کو درگزر کرنے (اور معاف کرنے) کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اور اگر معاف کرنے کی ہمت نہ ہو تو شرعی فتویٰ کے مطابق مجھ سے عوض لے لیں، خدا کے لئے قیامت پر مواخذہ نہ رکھیں کہ اس کا کسی طرح تحمل نہیں۔

اس قبیل کی کوتاہیاں جو دوسروں سے میرے حق میں ہو گئی ہوں میں بطیب خاطر (دلی خوشی سے) گذشتہ اور آئندہ کے لئے محض خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کو، اور اپنی خطاؤں کی معافی کی توقع پر وہ سب معاف کرتا ہوں۔

اسی طرح اگر کسی کا مالی حق رہ گیا ہو خواہ اطلاع کر کے لے لیں، خواہ معاف فرمادیں۔ (اشرف السوانح ص ۱۱۱ ج ۳)

استدعا: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس سلسلہ اپنی تقریر و تحریر میں جو اعلان فرمایا جو ابھی ماقبل میں مذکور ہوا۔

(احقر مرتب کتاب (محمد زید) بھی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اعلان کے مطابق یہی اعلان کرتا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا • رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا  
الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا • رَبَّنَا اغْفِرْ  
لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ • رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ  
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ • وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ • (مرتب)

خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے واسطے اہل حقوق میری حیات تک تو خواہ اپنے گذشتہ اور آئندہ حقوق معاف فرمادیں (یعنی اس تحریر کے وقت سے قبل کے بھی اور بعد کے بھی اگر بعد میں صادر ہو جائیں، سب معاف فرمادیں) خواہ شرعی

طریق اور شرائط پر اس کا عوض یا مثل لے لیں، اور حیات کے بعد معاف ہی فرمادیں، اسی مضمون کو مختصراً ایک رسالہ سے نظم میں عرض کرتا ہوں۔

کسی کو اگر میں نے مارا بھی ہو      بری بات کہہ کر پکارا بھی ہو  
وہ آج آ کر مجھ سے لے انتقام      نہ رکھے قیامت کے دن پر یہ کام  
کہ نجلت بروز قیامت نہ ہو      خدا پاس مجھ کو ندامت نہ ہو

آخر میں ناظرین سے اس دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سفر آخرت سے قبل تمام حقوق و مظالم سے اداء یا ابراء سبکدوش فرمادے اور آخرت میں ہر قسم کے مواخذہ سے محفوظ فرمادے۔ ویرحمہ اللہ عبدالاقال آمینا۔

(احقر مرتب کتاب بھی اپنے تمام بھائیوں سے یہی درخواست کرتا ہے۔)  
(اشرف السوانح ص ۱۱۱ ج ۳)

## میں اپنے تمام غیر مالی حقوق معاف کرتا ہوں

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص تھا جو لوگوں کو ادھار چیز دے دیتا تھا اور اپنے غلام سے کہہ دیتا تھا کہ جب کسی تنگ دست کے پاس جاؤ تو اس کو معاف کر دیا کرو، شاید اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے حقوق سے معاف فرمادے جب وہ مر کر خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔

(روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے، مشکوٰۃ شریف، باب الافلاس)

اس حدیث کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید پر میں اپنے حقوق غیر مالیہ جو کسی کے ذمہ ہوں بغیر کسی استثناء کے سب کو معاف کرتا ہوں، اور اس قسم کا اعلان

اس سے پہلے بھی زمانہ تحریکات میں کرچکا ہوں۔

اور حقوق مالیہ میں غیر مستطیع (غریب آدمی) کو اجازت دیتا ہوں کہ مجھ سے خاص طور پر گفتگو کریں انشاء اللہ کوئی سہل راستہ نکال دوں گا، خواہ معافی خواہ تخفیف خواہ مہلت یا اور کچھ۔ (حوالہ سابق)

## ایک طالب علم سے معافی مانگنے کا حضرت تھانویؒ کا واقعہ

ایک روز آدھی رات کے بعد ایک مریض کو حکیم محمد مصطفیٰ صاحب کی ضرورت ہوئی جو مولوی مظہر صاحب کے مکان میں مقیم تھے، آدمی نے آکر پھاٹک کے باہر سے آوازیں دی لیکن باوجود دیر تک چیخنے چلانے سے کچھ جواب نہ ملا حتیٰ کہ حضرت والا جو پھاٹک سے ذرا فصل پر بیرونی مکان میں آرام فرماتے اور مولانا احمد حسن صاحب سنبھلی جو دیوان خانہ میں سوتے تھے بیدار ہوئے مولوی صاحب نے کیواڑ کھولے حضرت والا کو سخت تعجب ہوا کہ پھاٹک کے متصل طالب علم سوتا ہے وہ کہاں ہے دیکھا تو وہ طالب علم تہجد میں مصروف ہے اور باوجود اتنے غل مچنے کے نہ انہوں نے نماز مختصر کی نہ قطع کی، حضرت والا ان پر بہت ناراض ہوئے اور تادیباً مارا بھی اور فرمایا کہ اتنے دن یہاں رہ کر تمہیں یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ دین کیا چیز ہے، دین کثرتِ نوافل یا لمبی لمبی رکعتوں کا نام نہیں ہے۔

دین اور ہی چیز ہے، پھر حضرت والا کو اس سے رنج ہوا کہ ایک نماز پڑھنے والے کو مارا گویا نبی عن الصلوٰۃ کی صورت پیدا ہوگئی، بعد نماز فجر ان طالب علم کو بلا کر فرمایا میں نے اس وقت بحالت غصہ جو کچھ کہا سنا، وہ اگرچہ تمہارے نفع کے لئے تھا مگر بعد میں مجھ کو ندامت ہوئی، اللہ کے واسطے معاف کر دو، یا بدلہ لے لو،

طالب علم نے حضرت والا کے پاؤں پکڑ لئے اور عرض کیا حضرت نے کیا زیادتی کی، میرا قصور تھا میں تو گھر بار اسی کے واسطے چھوڑے پڑا ہوں (کہ میری اصلاح ہو) اگر تادیب و تنبیہ نہ ہوگی تو میرے عیب کیسے نکلیں گے، فرمایا بھائی عاقبت کے واسطے نہ رکھو، وہاں کے بدلہ کا تحمل نہیں، عرض کیا حضرت کچھ خیال نہ فرمادیں میں تو اس کو اپنا فخر سمجھتا ہوں۔

فرمایا: یاد رکھو! دین کثرتِ نوافل کا نام نہیں ہے۔ تم کو یہ چاہئے تھا کہ جب پکارنے والے نے پکارا تھا تو سبحان اللہ زور سے کہہ دیتے یا قرأت زور سے کرنے لگتے تاکہ اس کو معلوم ہو جاتا کہ دروازہ میں کوئی موجود ہے وہ پریشان نہ ہوتا اور پکارے چلا نہ جاتا، آس پاس کے لوگ بھی پریشانی سے بچ جاتے، محلہ بھر جاگ اٹھا کہ خدا جانے کوئی مرگیا، یا کنویں میں گر گیا یا چوراگھسے یا یہ کاہے کا غل ہے، عرض کیا میں نے سورہ والفجر شروع کر دی تھی جب تک وہ ختم ہوئی یہ تمام غل مچ گیا (حضرت نے فرمایا) سبحان اللہ! یہ اور بڑھ کر ہوئی آپ کی تو قرأت ہوئی اور مریض اور تمام محلہ کو پریشانی ہوئی، چاہئے یہ تھا کہ بقدر ضرورت قرأت کر کے نماز ختم کر دیتے اور فوراً دروازہ کھول دیتے، مریض مضطر (مجبور) ہوتا ہے اور اس کے دیر کرنے میں اس کی ایذا ہے اور حدیث میں ہے الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ (کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے یعنی اس کی کسی تکلیف دہ حرکت سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں) جس فعل سے مسلمان کو ایذا ہو وہ دین نہیں ترک دین ہے بعض موقعوں پر نماز قطع کرنا اور توڑ دینا واجب ہے مثلاً تمہارے سامنے کوئی کنویں میں گرا جاتا ہو اور تم نماز میں ہو تو واجب ہے کہ نماز توڑ کر اس کو بچاؤ ورنہ بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ اس کے

بعد فرمایا آج سے تم دروازہ پر نہ سویا کرو، میں کسی طالب علم سے خدمت نہیں لیتا ہوں، طالب علم اس واسطے نہیں ہیں، ان کو اپنا ہی کام بہت ہے کسی کی خدمت کریں گے یا پڑھیں گے، نیز اس وجہ سے کہ خدمت کرانے سے مجھ پر ان کا ایک قسم کا دباؤ اور لحاظ ہو جائے گا، پھر اگر تادیب و تنبیہ کی ضرورت ہوگی تو میں نہ کر سکوں گا، نیز اس خیال سے کہ خدمت کر کے کوئی اپنے کو مقرب نہ خیال کرے اور لوگ اس کو بیچ میں نہ ڈالیں اس پر بہت سے مفاسد مبنی ہوتے ہیں جیسا کہ اکثر مشائخ کے یہاں موجود ہے اور ذاکرین کو اس قاعدہ کے ساتھ اور زیادہ خاص کر رکھا ہے، اگر کوئی طالب علم خود کوئی کام میرا کر دے تو میں منع بھی نہیں کرتا ہوں لیکن ذاکرین کو اس سے بھی روکتا ہوں ایک تو ذکر کا ادب اور دوسرے اس وجہ سے کہ کوئی ان میں سے میرے اوپر کسی بات پر اصرار کی جرأت نہ کرنے لگے نیز کسی کو یہ خیال نہ ہو جاوے کہ میں مقرب ہو گیا اس سے ذکر و شغل میں کمی کرنے لگے۔

(کمالات اشرفیہ ص ۳۳۸ ملفوظ نمبر ۱۱۴)

## معافی تلافی اور صلح صفائی ہو جانے کے بعد بھی

### دوستی اور تعلقات کا ہونا ضروری نہیں

**حدیث:** ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین روز سے زیادہ قطع تعلق کر دے اس طرح سے کہ دونوں کا آمناسا منا ہو جاوے اور یہ اس سے منہ پھیر لے اور وہ اس سے منہ پھیر لے، اور ان دونوں میں وہ اچھا ہے جو پہلے

سلام کرے، روایت کیا اس کو بخاری و مسلم نے۔

(مشکوٰۃ باب ما تنہی عنہ من التہاجر)

**فائدہ:** اس حدیث کی بنا پر اپنے لئے بھی اور اپنے ظالموں کے لئے بھی اور اپنے مظلوموں کے لئے بھی مشترکہ مسئلہ کی تحقیق کرتا ہوں کہ کسی کی خطا معاف کر دینے پر اور عذر قبول کر لینے پر یہ لازم نہیں کہ اس سے دوستی و خصوصیت بھی رکھے، بعض اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی اور بعض اوقات بعد تجربہ کے اس میں مصلحت نہیں ہوتی۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ اگر اتفاق سے ملاقات ہو جائے تو باہم سلام کر لیں، اور اگر ایک کی طرف سے کوئی ضروری بات چیت ہو تو دوسرا اس کا مناسب جواب دے دے گو مختصر ہی ہو، اور اگر ضرورت سے زیادہ بات چیت کا سلسلہ ہونے لگے جس سے بے تکلفی پیدا کرنے کا احتمال ہو تو نرمی سے عذر کر دے اس حدیث کے حاشیہ لمحات میں سیوطی کے حاشیہ علی الموطا سے ایسا ہی مضمون نقل کیا ہے۔ (اشرف السوانح ۱۳۹ ج ۳، ۱۴۱ ج ۳)

## معافی ہو جانے کے بعد بھی بشاشت قلب اور دل

### ملنا ضروری نہیں

اس کے علاوہ حضرت والا نے معترض کے تو بہ نامہ کے جواب میں ایک دقیق مسئلہ کی تعلیم بھی فرمادی کہ معافی اور چیز ہے اور دل ملنا اور چیز ہے کیونکہ بشاشت قلب (یعنی دل کا خوش ہو جانا) غیر اختیاری امر ہے جو بعض حالتوں میں

فوت ہونے کے بعد پھر عمر بھر بھی پیدا نہیں ہوتی، چنانچہ حضرت والا اس کی تائید میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو نقل فرمایا کرتے ہیں جو اس باب میں نص صریح ہے، فرمایا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کس کا قلب منور و مطہر اور وسیع و عالی ہو سکتا ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بھی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے اسلام لانے کے بعد بھی بشارت پیدا نہ ہوئی تو ہم لوگ تو چیز ہی کیا ہیں، حالانکہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ظلم کی معافی اسلام لانے کے بعد یقیناً ہو چکی تھی کیونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **إِلَّا سَلَامٌ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ**؛ (یعنی اسلام سابقہ تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے) لیکن اس ظلم کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ معافی ہو جانے کے باوجود بھی اس کا اثر رنج کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں موجود رہا، کیونکہ اسلام لانے سے قبل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ غزوہ احد میں شہید کیا تھا، جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت وحشی رضی اللہ عنہ پر نظر پڑتے ہی استحضار ہو جاتا تھا (یعنی پورا واقعہ یاد آ جاتا اور غم تازہ ہو جاتا تھا) اور ان کی طرف سے قلب مبارک میں انقباض پیدا ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے صاف فرما دیا **هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّي** (یعنی کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ میرے سامنے نہ آیا کرو) چنانچہ وہ شام تشریف لے گئے اور پھر جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک تھی کبھی اپنا چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دکھایا۔

(اشرف السوانح ص ۲۷۲ ج ۲)

## ضروری تشبیہ

اس موقع پر یہ ضروری تشبیہ قابل غور ہے کہ اس طریق خاص کے اختیار کرنے کا ہر شخص ہرگز اہل نہیں، لہذا عام مصلحین اس کے اختیار کرنے کی ہرگز جرات نہ کریں، ورنہ وہ کورانہ تقلید کر کے اپنا بھی اور طالبین اصلاح کا بھی ناس کریں گے، یہ صرف ان خاص الخاص حضرات ہی کا منصب ہے جو نفسانیت سے بالکل نکل چکے ہیں، اور جو حدود کی حفاظت پر پوری طرح قادر ہیں، محض تقلید سے اس خاص منصب کی اہلیت نہیں پیدا ہو سکتی۔ (اشرف السوانح ص ۳۷۳ ج ۲)

طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں ہر شخص سے الفت

و محبت و بے تکلفی ہونا ضروری نہیں

حدیث شریف میں ہے **الارواح جنود مجنودة ما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف** . (مشکوٰۃ شریف)

تمام روحوں میں ایک مجمع لشکر کی صورت میں تھیں پس جن میں باہم اس وقت تعارف اور آشنائی ہو چکی ہے ان میں یہاں الفت و محبت ہو جاتی ہے، اور جن میں اسی وقت تعارف نہیں ہوا وہ یہاں بھی میل نہیں کھاتے، یہ مضمون محض منقول ہے مشاہد نہیں مگر خبر صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبر ہے اس لئے ماننا پڑے گا، ہاں بعضے عارفین نے جن کو یہ واقعہ یاد رہا بتلایا ہے کہ عہد الست کے وقت جب ارواح کا اجتماع ہوا تھا تو فلاں شخص ہمارے داہنے تھا، فلاں بائیں طرف تھا، فلاں سامنے تھا۔

نیز اہل کشف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس اجتماع کی چار صورتیں ہوتی تھیں بعض روحوں کا منہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھا ان میں تو دنیا میں جانین سے الفت (وجبت) ہو جاتی ہے، بعض اس طرح کھڑی تھیں کہ ہر ایک کی پشت دوسرے کی طرف تھی ان میں ہر ایک کو دوسرے سے نفرت ہوتی ہے، اور بعض روحیں اس طرح جمع تھیں کہ ایک کا منہ دوسرے کی پشت کی طرف تھا سوان میں ایک کی طرف سے میلان ہو جاتا ہے دوسری طرف سے نفرت، (سوائسے لوگوں میں باہم) اتحاد نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ قدرتی امر ہے، بعض دفعہ ایک شخص نیک ہوتا ہے مگر ان کی صورت کو دیکھ کر طبیعت میں کشش نہیں ہوتی پس اس پر تعجب نہ کیا جائے کہ نیک آدمیوں میں اختلاف مزاج کیوں ہوتا ہے، (جبہ اس کی ابھی ماقبل میں گذری)

اسی طرح بعض دفعہ واقعی میاں بیوی دونوں نیک ہوتے ہیں مگر باہم نباہ نہیں ہوتا، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میاں بیوی دونوں نیک ہوتے ہیں مگر پھر بھی عورت کو طلاق سے مسرت ہوتی ہے کیونکہ طبیعتوں میں مناسبت اور موافقت نہ ہونے کی وجہ سے اجتماع نہیں ہو سکتا، بعض میاں بیوی الگ الگ رہیں تو بہت نیک ہیں مگر اجتماع سے آفت نازل ہوتی ہے۔ (حرمت الحدود، لمحقہ حدود و تہود ص ۱۲۸)

سب و شتم کے جواب میں حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

### کا مکتوب گرامی

(فرمایا) ایک مقام سے ایک خط آیا ہے جس میں دل کھول کر میرے طریق اصلاح و تربیت پر مجھ کو سب و شتم کیا گیا ہے۔ (چند روز بعد ان کا مندرجہ ذیل خط آیا وہ ہوا)

### نقل خط

مکرم و محترم حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ورضوانہ کچھ عرصہ ہوا یہ بد بخت روسیہ خدمت والا میں بے اجازت چلا گیا، آپ نے اس مستحق کو خوب زجر (تنبیہ) فرمائی، سو آپ حق بجانب تھے، میں نے یہاں آ کر مصلح بن کر آپ کو خط لکھا کہ اتنا غصہ اور ہتک (ذلیل) نہ کرنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا سلوک نہ تھا، اور بہت بے باکانہ الفاظ لکھے، سو اب اس نمک حرام نے آپ کی تصنیف ”تکشف“ سے متشددین اور معاندین کا بیان پڑھا ہے، اور بہت نادم ہے اور شرمسار محروم، میں نے خسران دارین (یعنی دنیا و آخرت کا نقصان) لینے میں بڑی جرأت کی، کیا آپ مجھے اللہ گستاخی معاف فرماتے ہیں؟ یا میرا جرم ناقابل تلافی ہے؟ فاعف عنی۔

### حضرت اقدس تھانوی کا جواب

السلام علیکم:۔ اگر معافی کے یہ معنی ہیں کہ قیامت میں مواخذہ نہ کروں، دنیا میں بددعا نہ کروں، غیبت نہ کروں تو معاف ہے، چنانچہ میں نے کسی کو نام بھی نہیں بتایا، بلکہ بستی کا نام بھی نہیں بتایا کہ کسی کے دل میں بغض نہ ہو جائے، اور اگر (معافی کے) یہ معنی ہیں کہ دوستوں جیسا تعلق رکھوں یا خط و کتابت یا ملاقات کی اجازت دوں تو معاف نہیں تاکہ پھر کسی پر ظلم نہ کرو۔ اشرف علی

گستاخی اور بے ہودہ حرکتوں کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا

یہاں ایک امر اور قابل غور عرض ہے کہ باوجود (اس قدر) ناگواری کے جو

معارض کے گستاخانہ لہجہ اور بیہودہ اعتراضات سے پیدا ہوئی تھی حضرت والا نے اتنی رعایت فرمائی کہ نہ معترض کا خط کسی کو سنایا بلکہ اسی وقت اسے چاک فرمادیا جیسا کہ حضرت والا کا معمول ہے، اور نہ معترض کا نام اور پتہ کسی کو بتایا، بلکہ اس درجہ اہتمام کے ساتھ چھپایا کہ ڈاک خانہ کی مہر کو بھی قلم زد فرمادیا اور اس طرح کہ کوئی پڑھ نہ سکے، اور احقر نے صوبہ کا نام دریافت کیا تو وہ بھی نہ بتایا اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس صوبہ سے بھی کسی کو بغض نہ ہو، اور وہاں کے رہنے والے مجبوعین کو شرمندگی بھی نہ ہو۔ (اشرف السوانح ص ۷۱، ج ۲، ۱۲، ج ۲، ۵۲ھ)

جس نوع کی غلطی ہو معافی بھی اسی انداز کی ہونی چاہئے

### حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

(ایک مدرسہ کی بابت فرمایا کہ میں فلاں مدرسہ کی سرپرستی سے) مستعفی ہو گیا، اور یہ استعفاء بعض ممبروں کی ایک تحریر کی بنا پر تھا، اس تحریر کے الفاظ ایسے دلازار اور دلشکن تھے جو تہذیب سے بھی گرے ہوئے تھے، آخر تہذیب اور شائستگی بھی کوئی چیز ہے؟ اور اصل بات تو یہ ہے کہ جس چیز کا تحمل نہ ہو اس سے علیحدہ ہونا ہی مناسب ہے، مجھے ایسی چیزوں سے مناسبت نہیں، اس تحریر کے بعد یہاں مدرسہ کے ممبران وفد کی صورت میں آئے تھے ان میں وہ صاحب بھی تھے جن کی وہ تحریر تھی، میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ مجھ کو آپ کی اس تحریر سے رنج پہنچا ہے اور ہے اور رہے گا آپ سے اس کی شکایت ہوئی اور ہے اور رہے گی جب تک کہ اس کا تدارک نہ ہوگا، اس پر ان صاحب نے معافی چاہی، میں نے کہا کہ جس درجہ کی غلطی اسی درجہ کی معذرت ہو تب اس کا تدارک ہو سکتا

ہے وہ یہ کہ تحریر غلطی ہے تحریر ہی معذرت ہو، اور چونکہ اس تحریر کا اعلان ہو چکا ہے لہذا معذرت (معافی) کا بھی اعلان ہونا چاہئے۔

آخر میں میں نے یہ کہہ دیا کہ نہ میں اس غلطی کے اعلان کا منتظر ہوں نہ مستدعی ہوں، نہ مشتاق ہوں، اگر ساری عمر بھی آپ ایسا نہ کریں تو مجھے کوئی ضرورت نہیں صرف اپنی رضاء کی شرط بتلائی ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۵۹۷ ج ۵ قسط ۵) اور (مذکورہ قصہ میں) مجھ کو جو کچھ شکایت ہوئی محض اس وجہ سے کہ آپ کو محبت کا دعویٰ ہے اور معاملہ سے بھی اس کا اظہار کیا جاتا ہے، اور زبان سے بھی کہا جاتا ہے اَنَا مُحِبُّ لَكَ ورنہ میں تو اپنے کو اس سے بھی بدتر سمجھتا ہوں جتنا مجھ کو کہا جاتا ہے، دیکھئے احمد رضا خان صاحب نے مجھ کو ہمیشہ برا کہا مگر مجھ پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا۔

ایک صاحب بولے کہ جس تحریر پر شکایت ہے ان صاحب تحریر کی عادت ہی ایسی ہے، ان کی تحریر کا طرز ہی یہ ہے، میں نے کہا آپ کچھ خیال نہ کریں اس جاننے کے ساتھ کہ ان کا یہ طرز ہے یہ بھی جان لینا چاہئے کہ دوسرے کا یہ طرز ہے کہ وہ اس سے دیگر دل گرفتہ ہوتا ہے، ان کا یہ طرز اور ہمارا یہ طرز، پھر ہمارے طرز سے ہم کو کیوں روکا جاتا ہے، اس پر خاموش ہو گئے۔

اور صاحب تحریر نے جب مجھ سے معافی مانگی میں نے صاف کہہ دیا کہ معافی تو یہ ہے کہ میں نہ دنیا میں مواخذہ کروں گا نہ آخرت میں لیکن اگر تعلقات بھی ویسے ہی رکھنا چاہتے ہو تو اس کے لئے یہی شرط ہے کہ اپنی غلطی کو چھپوا کر شائع کرو۔ جن صاحب کے ہاتھ کی وہ بے ہودہ تحریر بھیجی تھی جس سے انہوں نے معافی مانگ لی تھی اس معافی کی اشاعت کے متعلق انہوں نے تو کچھ نہیں کہا مگر ان کی

طرف سے ایک صاحب بطور وکیل گفتگو کرنے لگے، کہا کہ وہ مضمون معافی کا ”النور“ یا ”الہادی“ میں شائع کر دیا جائے میں نے کہا کہ یہ رسالے تو میری طرف منسوب ہیں ان میں چھاپنے سے وہم ہوگا کہ میں نے استدعاء (خواہش) کی ہے، مستقل (علیحدہ) چھاپو، کہا کہ اخبارات میں مضمون دے دیا جائے، میں نے کہا کہ یہ بھی مناسب نہیں اس لئے کہ اخبارات نااہلوں کے ہاتھ میں جاتے ہیں مجھ کو تو یہ بھی گوارا نہیں کہ ان صاحب تحریر کی اہانت نااہلوں کی نظر میں ہو، غرضیکہ میری طرف منسوب رسالوں میں شائع ہو یہ میری وضع کے خلاف ہے اور اخبارات میں شائع ہو وہ آپ کی شان کے خلاف ہے۔ (شاید متعلقہ دینی رسائل میں اشاعت مناسب ہو)

(ملفوظات حکیم الامت ص ۴۵۸ ج ۱)

## ضرورت کے وقت اپنوں کو چھوڑنے اور قطع تعلق کا طریقہ

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے کفار کے چھوڑنے کا مگر کس طرح **وَاهْبُجْرَهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا** یعنی ان کو چھوڑ دیجئے خوبی کے ساتھ، یہ معاملہ کفار کے ساتھ ہے اس سے سبق لینا چاہئے کہ مسلمان کو اگر چھوڑنا ہو تو کس طرح چھوڑنا چاہئے، بس نہایت نرم الفاظ میں عذر کر دے کہ میں اب آپ سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا، اور اس کے ساتھ کسی قسم کی بے ادبی نہ کرے اور ایذا (یعنی تکلیف) نہ دے، یہ حق ہے صحبت کا۔

(جلاء القلوب ملاحظہ ذکر و فکر ص ۳۶۳)

**وَاهْبُجْرَهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا** یعنی خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ، الگ ہونا یہ کہ کوئی تعلق نہ رکھو اور خوبصورتی سے یہ کہ ان کی شکایت و انتقام کی فکر میں مت پڑو۔

(بیان القرآن سورہ مزمل پ ۲۹)

## باب ۹

### مخالفین و معترضین کے جواب میں اللہ والوں کی مخالفت ہوتی ہی ہے

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ یہ سنت اللہ ہے کہ جہاں اللہ والے ہوتے ہیں وہاں ان کے مخالف بھی ہوتے ہیں، مولوی صاحب کے پڑوس میں ایک مخالف بھی رہتے ہیں پھر مخالفین میں بھی بعض کی طبیعتوں میں خبث ہوتا ہے ان کا جی اسی میں خوش ہوتا ہے کہ دوسروں کو تکلیف میں دیکھیں۔

(ملفوظات حکیم الامت ۴۴۱ ج ۱ ص ۴۱)

اہل اللہ میں خودداری کہاں، گالیاں بھی پڑنے لگیں تو ان کو پرواہ نہیں ہوتی گویا حزن (رنج و غم) ہو، یہ حالت نہیں ہوتی کہ کسی کے برا بھلا کہنے پر اس کے درپے ہوئے گئے، مشورہ کرتے پھر رہے ہیں، ایک طالب علم نے ایک مولوی صاحب کا مقابلہ کیا مگر وہ پھر بھی اس کے درپے نہ ہوئے حالانکہ ان کو اس پر پورا قابو تھا، (بہت کچھ کر سکتے تھے لیکن حلم اور صبر و سکون سے کام لیا یہ اہل اللہ کی شان ہوتی ہے)

(ملفوظات کمالات اشرفیہ قدیم ۱۱۴)

### معترضین کے اعتراضات بھی حق تعالیٰ کی نعمت ہیں

فرمایا: بعض مہربانوں کی طرف سے جو برا بھلا کہنے اور سب و شتم اور لعن طعن کی بوچھاڑ نظر آتی ہے یہ سب حق بات کے اظہار کی بدولت ہو رہی ہیں، ایسے



لیتے مگر ان کے ان افعال کے جواب میں زبان مبارک سے کچھ نہیں فرمایا، بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ ”ملک الجبال“ یعنی فرشتہ جو پہاڑوں پر مقرر کیا ہوا ہے آیا اور عرض کیا کہ مجھ کو خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے اگر آپ حکم دیں تو ان کو پہاڑوں کے بیچ میں پیس دوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مجھے اور میری قوم کو چھوڑ دو، یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو کیا ہے، شاید ان کی نسل میں سے کوئی ایمان لے آئے، اس قدر اختیار میں تصرفات کے باوجود کہ ”ملک الجبال“ حاضر ہے، حکم کا منتظر ہے ذرا اشارہ ہو تو سب کو خاک میں ملادے، لیکن ان کی تکلیف کو گوارا نہیں کیا، یہ ان کے ایسے افعال کا جواب تھا جن کے سننے سے بھی غیظ (غصہ) پیدا ہوتا ہے اور جوش اٹھتا ہے۔ یہ ہیں اخلاق نبوی، سبحان اللہ، واقعی انبیاء دشمنوں کے بھی خیر خواہ ہوتے ہیں، حقیقت میں رسول کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ دشمنوں کا بھی برا نہیں چاہتے، دیکھ لیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر شفیق اور رحیم و کریم ہیں کہ ایسے دشمنوں کو بھی تکلیف پہنچانا گوارا نہ کیا بلکہ ان کے ساتھ خیر خواہی کی، دنیا میں بھی اور دین میں بھی، دنیا میں تو یہ کہ ملک الجبال (پہاڑوں والے فرشتہ) کو ان کے ہلاک کرنے سے منع کر دیا، اور دین کی خیر خواہی دیکھئے کہ ان ہی کے واسطے ان کے افعال کے مقابلہ میں کیا دعا فرماتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی اے اللہ میری قوم کو ہدایت کر دیجئے یہ لوگ جانتے نہیں۔

دیکھئے دشمنوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہے ان کی تکلیف تو کیا گوارا فرماتے ان کو یہ دعا دیتے ہیں کہ اے اللہ ان کو جنت میں بھیج دیجئے، ہدایت کی دعا کرنے کا یہی مطلب ہے کہ یہ دوزخ سے بچ جائیں اور جنت میں پہنچ جائیں۔  
(غور کیجئے!) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی تکلیفیں اٹھائیں

، بھوکے رہے، پاؤں مبارک زخمی ہو گئے مگر ذرا بھی پیشانی پر بل نہیں پڑا، نہ ان کا ہلاک ہو جانا چاہا، نہ یہ چاہا کہ وہ اپنے حال پر گمراہی میں رہیں بلکہ یہی دعا فرمائی کہ اے اللہ ان کو ہدایت کر دیجئے یہ لوگ ناواقف ہیں۔

یہ ہے طریقہ انبیاء علیہم السلام کا مخالفین کے ساتھ کہ ان کی برائی کا جواب برائی کے ساتھ نہیں دیتے، ان کے پیروکاروں (خصوصاً علماء کرام کو جو نبی کے جانشین ہیں ان کو) بھی یہی طرز رکھنا چاہئے، اگر کوئی برا بھلا کہتا ہے کہہ وہ اپنا منہ خراب کرتا ہے، کوئی ملانا کہے، دیوانہ پاگل کہے اس سے کچھ تعرض مت کرو، اس نے تو اپنا وقت خراب کیا تم اپنا وقت کیوں خراب کرتے ہو۔

بعض وقت بعض علماء کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کی بدگوئیوں پر صبر کرنے سے ان کی دلیری بڑھتی ہے لہذا کچھ جواب دیا جائے، میں کہتا ہوں کہ ان کو اس کی بھی پرواہ نہیں کرنا چاہئے، ان کی دلیری بڑھے گی تو اپنے واسطے برائی کو بڑھائیں گے ان کا کیا لیں گے، خیر یہ تو اپنی جماعت کو مشورہ تھا۔ (الباطن ملحقہ اصلاح باطن ص ۱۸۲ و ۱۸۵)

## حسن اخلاق اور نرمی برتنے کا توفائدہ یقینی ہے

حق تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ

(پ ۲۴ سورہ سجدہ)

(ترجمہ و مطلب) نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک کا جدا اثر ہے، تو آپ نیک برتاؤ سے بدی کو ٹال دیا کیجئے پھر یکا یک دیکھ لینا کہ آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی دوست ہوتا ہے یعنی برائی کا بدلہ

برائی سے کرنے میں تو عداوت بڑھتی ہے اور نیکی کرنے سے بشرط سلامت (یعنی طبیعت اور مزاج میں سلامتی کی شرط کے ساتھ) دشمن کی عداوت گھٹتی ہے حتیٰ کہ اکثر بالکل عداوت جاتی رہتی ہے (دشمن) دوست کے مشابہ ہو جاتا ہے گودل سے دوست نہ ہو۔ (بیان القرآن سورہ سجدہ پ ۲۳) (ص ۵۸ ج ۱۰)

شاید یہاں اس آیت کے مضمون پر کسی کو یہ شبہ ہو کہ بعض دفعہ ہم کسی سے بہت ہی نرمی کرتے ہیں مگر پھر بھی دوسرے پر اثر نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو کیا خبر کہ نفع نہیں ہوا، ممکن ہے کہ اگر تم نرمی نہ کرتے تو وہ اس سے زیادہ درپے ہوتا جیسے کوئی شخص دوا استعمال کرے اور پوری شفاء نہ ہو تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ نفع بالکل نہیں ہوا، کیونکہ ممکن ہے کہ دوا نہ کرنے سے مرض اور بڑھ جاتا ہے، اسی لئے حق تعالیٰ نے وَلِئِیْ حَمِیْمٍ مَّطْلَقًا نہیں فرمایا بلکہ كَاَنَّهُ، وَلِئِیْ حَمِیْمٍ فرمایا ہے۔

اس میں اشکال کا جواب ہے کہ اس نرمی کے برتاؤ سے عداوت (دشمنی) میں کمی آجاتی ہے اور دشمنی کی کمی سے دوستی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور نرمی کے برتاؤ میں تقلیلِ عداوت (یعنی مخالفت اور دشمنی کم کرنے) کا خاصہ ضرور ہے۔

(الاخوہ التبلیغ ص ۸۸ ج ۱۳)

الغرض یہ آیت مخاطب کی سلامتی طبع کے ساتھ مقید ہے۔ اور جن کی طبیعت میں سلامتی نہ ہو ان کے لئے دوسرا حکم ہے، مگر مسلمانوں میں تو زیادہ تر سلیم الطبع ہی ہیں اس لئے تم اپنے مخالفین کو (عام حالات میں) کج طبع نہ سمجھو، اور نہ اپنے کام کا مخالف سمجھو بلکہ ان کی مخالفت کو غلط فہمی پر محمول کرو، مثلاً یہ کہ وہ تمہارے متعلق بڑا بننے اور طالب جاہ ہونے کا خیال کرتے ہیں اس لئے شرکت نہیں کرتے۔ ان کے فعل کو اس پر محمول کر کے ان کے ساتھ نرمی کرو، اور نرمی سے اصلاح کی کوشش کرو۔ (التبلیغ ص: ۹۸ ج ۱۳)

## نرمی سے فائدہ نہ ہونے کی صورت میں سختی کی ضرورت

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں حق تعالیٰ نے اس فعل کی (یعنی نرمی کا برتاؤ کرنے کی) خاصیت بیان فرمائی ہے، اور خاصیت ظاہر ہونے کے لئے کسی مانع کا نہ ہونا شرط ہے جیسے دوا نافع ہے مگر بعض دفعہ کوئی خلط فاسد غالب ہوتی ہے تو (اس عارض کی وجہ سے اس) دوا کا نفع ظاہر نہیں ہوتا، کیونکہ نفع ظاہر ہونے کے لئے کسی خلط فاسد کا غالب نہ ہونا شرط ہے، اسی طرح دَفْعُ سَيِّئَةٍ بِالسَّيِّئَةِ (برائی کو بھلائی سے دفع کرنے) کا نفع ظاہر ہونے کے لئے مخاطب کی طبیعت کی سلامتی شرط ہے، اگر مخاطب کی طبیعت میں سلامتی نہ ہوگی تو اس فعل کا اثر ظاہر نہ ہوگا، بس جس طرح طبیب پہلے تقلیلِ مادہ کی کوشش کرتا ہے، مرہم وغیرہ سے دل (پھوڑے) کو تحلیل کرتا ہے اور اگر اس سے کام نہ چلے تو پھر نشتر لگاتا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ نے امراض باطنہ کے متعلق ہم کو یہی طریقہ تعلیم کیا ہے کہ پہلے تو مخالف کے ساتھ نرمی کرو، اگر اس سے اس کی عداوت کم ہو جائے اور وہ آدمی بن کر رہے تو مقصود حاصل ہو گیا، اور اگر اس سے کام نہ چلے تو یہ ثابت ہوگا کہ اس کا فاسد مادہ بہت غالب ہے اب اس کے لئے نشتر کی ضرورت ہے، چنانچہ دیگر نصوص میں قتال کا امر ایسے ہی لوگوں کے واسطے (خاص حالات میں اور خاص شرائط کے ساتھ) ہے، پس ان نصوص کے ملانے سے معلوم ہو گیا کہ اس جگہ پر جو حکم منصوص ہے یہ حکم عام نہیں بلکہ مخاطب کی طبیعت کی سلامتی کے ساتھ مقید ہے، اور جس کی طبیعت نہایت کج (اور فاسد) ہو اس کا علاج نشتر (اور سختی کرنا) ہے، کیونکہ یہ بھی ایک علاج ہے، فاسد مادہ جب تحلیل کے قابل نہ ہو تو اس کو نکال کر

باہر کر دینا ضروری ہے، ورنہ تمام جسم کو خراب کر دے گا۔ (الاخوة، التبلیغ ص ۸۹ ج ۱۳)

## غلط نظریے کی تردید میں نرم پہلو اختیار کرنے کی ضرورت

### اور اس کا فائدہ

ایک اہل علم حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں فلاں مدرسہ کے جلسہ میں شریک تھا وہاں پر مختلف لوگوں کی تقریریں ہوئی تھیں، میری بھی تقریر تھی ایک صاحب اسی شہر میں دور دراز سے آئے ہوئے تھے ان کی بھی اسی جلسہ میں تقریر ہوئی، انہوں نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کو اور علماء کو بہت برا بھلا کہا کہ سب قوموں میں اتفاق ہے مگر مسلمانوں میں اور علماء میں نہیں، اور ہندوؤں کی بہت تعریف کی، ان کی اس تقریر سے حاضرین جلسہ کی بہت دلشکنی ہوئی، جب وہ تقریر کر چکے تو میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا کہ یہ صاحب جنہوں نے تقریر کی ہے ہمارے مہمان ہیں اور جو کچھ بھی انہوں نے بیان کیا ہے اپنے نزدیک مسلمانوں کی خیر خواہی سے بیان کیا ہے، اور ان کے طرز بیان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص معمولی بد پرہیزی کرے اور اس کو کوئی طبیب اس طرح کہے کہ تو نے بہت سخت بد پرہیزی کی ہے تو اس طرز سے اس طبیب کا مقصود اظہار واقعہ نہیں ہوتا ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ موجودہ حالت میں بھی جتنا اتفاق مسلمانوں میں ہے اتنا کسی قوم میں نہیں اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ جو قوم ایک خدا کی قائل نہ ہو ان میں کیا اتفاق ہو سکتا ہے خواہ وہ عیسائی ہو جو تثلیث (تین خدا) کے قائل ہیں یا ہندو جو ہزاروں شرکاء کے قائل ہیں یا ان میں آریئے ہوں جو تین

قدیم بالذات کے قائل ہیں، اور عقائد کے علاوہ ہندوؤں کے تو مذہب میں یہ بات داخل ہے کہ باپ بیٹا ایک جگہ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتے، اگر اتفاق ہے تو صرف مسلمانوں میں ہے چنانچہ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ خود ہمارے حضرت دام ظلہم العالی کا واقعہ ہے جو خود میرا مشاہدہ ہے کہ جب ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں ایک مولوی صاحب کا ذکر کیا کہ انہوں نے تو جناب کی ہمیشہ مخالفت کی، تو بجائے ان کی شکایت کے یہ فرمایا کہ میں اب بھی یہی سمجھتا ہوں کہ شاید ان کی مخالفت کا منشاء حق رسول ہو جس کی وجہ سے وہ اپنے اس فعل میں معذور ہوں۔

اسی طرح مدرسہ دیوبند اتنا بڑا مدرسہ ہے کہ سارے ہندوستان میں اتنا بڑا مدرسہ کوئی نہیں مگر وہاں سے کبھی ایسے مضامین نہیں نکلتے جس کا سبب دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعصب ہو۔

میری اس تقریر کا لوگوں پر بہت اچھا اثر ہوا، حتیٰ کہ وہ مقرر صاحب بھی بہت پشیمان ہوئے اور اقرار کیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی جو میں نے ایسی تقریر کی۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس واقعہ کو سن کر ارشاد فرمایا کہ آپ نے جو طرز جواب اختیار کیا ہے یہی مناسب ہے، معاندانہ طرز اختیار کرنے سے مخالف کو وحشت ہو جاتی ہے اور وہ اس کو اپنی حقارت سمجھتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کرے اس کو عداوت اور اپنی غلطی پر اصرار ہو جاتا ہے، لہذا جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو خطاب کے اندر لب و لہجہ نرم ہی اختیار کرنا چاہئے البتہ بات جو کہے وہ صاف ہی کہے۔

متعصبین و معترضین کے اعتراضوں کے جواب کے سلسلہ

## میں حضرت تھانویؒ کا طرز عمل

حکیم الامت حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

احقر عرض رسا ہے کہ ایک مدت دراز سے مجھ پر عنایت فرماؤں کی طرف سے بے جا اعتراضوں کی بوچھاڑ ہے جس میں سے اکثر کا سبب تعصب و تحزب (پارٹی بندی) ہے جس کے جواب کی طرف احقر نے اس لئے کبھی التفات نہیں کیا کہ میں نے ان اعتراضوں کو قابل التفات نہیں سمجھا۔

نیز یہ بھی خیال ہوا کہ آج کل جواب دینا اعتراضات کو ختم نہیں کرتا بلکہ اور زیادہ مطول کلام ہو جاتا ہے (یعنی سلسلہ بڑھ جاتا ہے) تو وقت بھی ضائع ہوا اور مقصد بھی حاصل نہ ہوا۔

تیسرے مجھ کو اس سے زیادہ اہم کام اس کثرت سے ہمیشہ رہتے ہیں کہ اس کام کے لئے مجھ کو وقت بھی نہیں مل سکتا تھا۔

چوتھے میں نے جہاں تک دل کو ٹٹولا ایسے اعتراضوں کے جواب دینے میں نیت بہت اچھی نہیں پائی، میں اہل خلوص کو تو کہتا نہیں مگر مجھ جیسے مغلوب النفس کی زیادہ تر نیت یہی ہوتی ہے کہ جواب نہ دینے میں معتقدین کم ہو جائیں گے، شان میں فرق آجائے گا، جس کا حاصل ارضاء عوام (یعنی مخلوق کو خوش کرنا) ہے، سو طبعی طور پر مجھ کو اس مقصود سے (یعنی عوام کی رضا کو مقصود بنانے سے) غیرت آتی ہے۔ (اشرف السوانح ص ۱۵۵ ج ۳)

معترضین کے اعتراض اور طعن و تشنیع کے جواب میں

## حضرت تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت (اقدس تھانویؒ) پر اگر کوئی کسی قسم کا اعتراض کرتا ہے تو اس سے اپنی براءت فرمانے کی ہرگز کوشش نہیں فرماتے بلکہ اگر وہ اعتراض علمی رنگ کا ہوتا ہے اور قابل قبول ہوتا ہے تو اس کو قبول فرما کر اپنی سابقہ تحقیق سے بلا تامل رجوع فرما لیتے ہیں۔ اور اگر اس اعتراض کا قابل قبول ہونا مشکوک ہوتا ہے تو اس اعتراض کو اپنے جواب کے ساتھ ”ترجیح الرنج“ میں شائع فرمادیتے ہیں تاکہ دیکھنے والے خود جس کے قول کو چاہیں ترجیح دے سکیں یہ معاملہ تو علمی رنگ کے اعتراض کے ساتھ فرماتے ہیں۔

اور اگر اعتراض معاندانہ رنگ کا ہوتا ہے (جو طعن و تشنیع پر مشتمل ہوتا ہے) تو اس کے متعلق پرواہ نہیں فرماتے، چنانچہ اگر ایسا اعتراض جوابی خط کے ذریعہ موصول ہوتا ہے تو اپنی براءت فرمانے کے بجائے نہایت استغناء کا جواب تحریر فرمادیتے ہیں، اور ایسے عنوان سے کہ معترض پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کے اعتراض کو بالکل لغو اور ناقابل التفات سمجھا گیا، مثلاً ایک شخص کو جس نے واہی تباہی اعتراضات لکھ کر بھیجے تھے تحریر فرمادیا کہ مجھ میں اس سے زیادہ عیوب ہیں مگر مجھے تو اپنے عیوب کی اشاعت کی توفیق نہیں ہوئی تم ان کو مشتہر کر دو تاکہ لوگ دھوکہ میں نہ رہیں۔

اور اگر خط جوابی نہیں ہوتا تو اس کو پھاڑ کر ردی میں ڈال دیتے ہیں۔ (حضرت اقدس تھانویؒ نے) معترضین کے مقابلہ میں بھی کبھی رد کی

کوشش نہیں فرمائی بلکہ ان کے اعتراض پر بھی خصوصاً جہاں نیک نیتی کا گمان تھا اس نیت سے نظر فرمائی کہ اگر ان اعتراضات میں کوئی امر واقعی قابل قبول ہو تو اس کو قبول کر کے اس پر عمل کیا جائے۔ (اشرف السوانح ج دوم ص ۱۵۴)

## مخالفین کی مخالفت کے جواب میں

### حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے چند اشعار

فرمایا: مخالفین لوگ خواخواہ اس کوشش میں پریشان ہیں کہ وہ میرے عیوب پر مخلوق کو مطلع کریں، میں خود ہی اپنی حقیقت منکشف کئے دیتا ہوں اور اس موقع پر یہ شعر پڑھا کرتا ہوں۔

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات

ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں  
اور جب کوئی مجھ سے اعتراض کرتا ہے اور میری روک ٹوک اور اصلاح پر  
ناگواری ہوتی ہے تو پڑھا کرتا ہوں۔

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی

جس کو ہوجان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

اور لوگوں کے برا بھلا اور سب و شتم اور لعن طعن کرنے پر یہ پڑھا کرتا ہوں۔

دوست کرتے ہیں شکایت غیر کرتے ہیں گلہ

کیا قیامت ہے مجھ ہی کو سب برا کہنے کو ہیں

خیر کہا کریں برا بھلا اور لگاتے رہیں الزام و بہتان اور کریں اچھی طرح  
بدنام، یہاں تو الحمد للہ یہ مذہب ہے۔

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا

اور جو خود نا کام ہو اس کو کسی سے کام کیا

خیر کوئی کچھ کہا کرے، کوئی خوش رہے یا ناراض، معتقد ہو یا غیر معتقد یہ کہہ  
کر الگ ہو جانا چاہئے۔

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کہ خالی

چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

اور صاحب یہ تو بے فکر کی باتیں ہیں جن کو آخرت کی فکر ہے ان کو ان  
چیزوں کی فرصت کہاں، انہیں دشمن سے مقابلہ کے واسطے ہی میسر نہیں  
دوست کی مشغولی ہی کیا کچھ کم ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۳۷ ج ۳ قسط ۱ ملفوظ ۵۳)

### حضرت تھانویؒ کا حال

مجھ کو اس وقت اپنی تین حالتیں پیش نظر ہیں ایک محبین (محبت کرنے  
والوں) کی ملامت اور مخالفین کا اعتراض، دوسرے ان سب اعتراضوں کو ایک جگہ  
جمع کر دینا، تیسرے اس جمع کرنے میں یہ نیت کہ جس کا جی چاہے تعلق رکھے جس کا  
جی چاہے نہ رکھے، ان تینوں حالتوں پر تین شعر بے ساختہ ذہن میں آتے ہیں۔

پہلی بات (اپنوں کی ملامت) کے متعلق مؤمن خاں کا شعر۔

سست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ

کیا قیامت ہے مجھ ہی کو سب سے کہنے کو ہیں

سب سے کہنے کو ہیں سب سے کہنے کو ہیں سب سے کہنے کو ہیں

غزیرہ شعر

میں گلہ کرتا ہوں پنا تو نہ سن کی بات

ہیں یہی کہنے کو ہیں سب سے کہنے کو ہیں

تیسرے کے متعلق غالب کے شعر "تصر کے ساتھ"

نہیں ہمارے پاس بات

جس کو ہوجان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

وَأَفْوِضْ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا  
رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ۔ (اشرف السوانح ص ۱۵۷، ۱۵۸ ج ۳)

(ترجمہ) اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں خدا تعالیٰ سب بندوں کا نگران  
ہے آپ کہہ دیجئے کہ ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان میں ٹھیک  
ٹھیک فیصلہ کرے گا، اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ (بیان القرآن)

## اہل محبت کا اصرار اور اس کا جواب

باقی اہل محبت کی یہ توجیہ کہ اعتراض سے عام مسلمانوں کو گناہ ہوتا ہے

تو (اعتراضوں کا) جواب دینے سے ان کو اس گناہ سے بچانا ہے (لیکن) غور و فکر

کے بعد یہ توجیہ بھی برائے گفتن ہی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ دوسرے مسلمان  
ہزاروں گناہ ہوں میں مبتلا ہیں ان سے بچانے کا اس قدر اہتمام کیوں نہیں کیا  
جاتا، نیز دوسرے علماء حقانی سے اگر ایسی ہی بدگمانی ہو جائے اس کے دور کرنے کا  
وہ اہتمام نہیں ہوتا جو اپنے نفس یا اپنے (شیخ اور بزرگ کے لئے) جن سے اعتقاد  
ہے ان کے لئے ہوتا ہے، بلکہ اس قدر تو کیا کچھ بھی نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات  
(دوسرے) بزرگوں سے چشمک سے۔۔۔۔۔ ہوتی ہے تو نفس میں ایک گونہ  
سرور پایا جاتا ہے (اور خوشی ہوتی ہے کہ) اچھا ہوا ان کی ذرا رسوائی تو ہوئی۔

## دینداری و خیر خواہی کا مقتضی

دینداری اور خیر خواہی کا مقتضی تو یہ تھا کہ اگر اپنے یا اپنے اکابر کے کسی  
مخالف سے بھی کسی کو بے جا بدگمانی ہو تو اس کو دور کرنے کے لئے ویسا ہی اہتمام  
ہو جیسا اپنے یا اپنے اکابر کے لئے ہوا ہے، پھر اس توجیہ کو کیسے قبول کیا جاسکتا  
ہے، اور خیر اگر اپنے کسی بزرگ کے لئے ایسا اہتمام کرے تو اس کو مظلوم کی  
نصرت (و حمایت) میں بھی داخل کر سکتے ہیں جو کہ طاعت ہے، مگر اپنے نفس کے  
لئے ایسا کرنا کوئی طاعت بھی نہیں جو جائز ہو، مگر ممکن ہے کہ کسی کو بعض جائز امور  
سے بھی طبعاً انقباض ہوتا ہو (یعنی جائز کام کرنے کا جی نہ چاہتا ہو)

## حکیم الامت حضرت تھانوی کا ذوق

چونکہ احقر کو اس سے انقباض ہوتا ہے، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے گویا عوام کی  
خوشامد ہو رہی ہے کہ ہم سے ناراض مت ہونا ہم کو برامت سمجھنا، ہماری برائی تم سے

غلط کہی گئی ہے، سو جہاں کوئی دنیوی ضرورت ہو وہاں تو ایسا کرنے میں (یعنی جواب دینے میں بھی) مضائقہ نہیں اور جہاں یہ بھی نہ ہو تو کیوں مشقت میں پڑے، یہ ہے میرا مذاق اس امر میں، پس ان وجوہ کی بنا پر میں نے کبھی اس کا ارادہ نہیں کیا کہ مخالفین و معترضین کے اعتراضوں کا جواب دیا جائے اور نہ اپنے خاص لوگوں کو اس کی اجازت دی، ہاں اگر کسی بے تعلق شخص نے مجھ سے مشورہ لئے ہوئے بغیر کبھی جواب دے دیا تو نفس کو سرور ضرور ہوا، اور خوشی ہوئی مگر پوچھنے پر مشورہ بھی کسی کو نہیں دیا۔ (کہ میری طرف سے جواب دو) (اشرف السوانح ص ۱۵۶ ج ۳)

## اتحاد و اتفاق قائم رکھنے اور اختلاف سے بچنے کی اہم دعائیں

(۱) اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ

وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَاَلْفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ.

(۲) اَللّٰهُمَّ اَلْفَ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاَهْدِنَا سَبِيْلَ

السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ.

(۳) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَمِنَ الشَّقَاقِ

وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ وَمِنْ شَرِّ مَا تَعَلَّمَ.

(۴) اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ نَّظْلِمَ اَوْ يُظْلَمَ عَلَيْنَا

اَوْ نَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا اَوْ اَضِلَّ اَوْ اُضِلَّ.

(۵) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ خَلِيْلٍ مَّا كَرِهْتَهُ تَرِيَانِيْ

وَقَلْبُهُ يَرْعَانِيْ اِنْ رَاىَ حَسَنَةً دَفَنَهَا وَاِنْ رَاىَ سَيِّئَةً اَدَاعَهَا.

تمت (منتخب از کتب حدیث بحوالہ مناجات مقبول)

## مآخذ و مراجع

حضرت تھانویؒ کی جن کتابوں اور مواضع وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی فہرست	التبلیغ	الاتفاق ، الاخوه
رحمت دو عالم	تربیت السالک	آداب انسانیت
رسالہ قند دیوبند	تسلیم و رضا	آداب زندگی
رطوبة اللسان	تعلیم الدین	الارتباط
سفر نامہ لاہور	تقلیل الطعام	ارشادات حکیم الامت
السوق لابل الشوق	جزا و سزا	ارضاء الحق
شریعت و سیاست	جلاء القلوب	اسباب الفتنہ
طریق القلندر، طلب الجنہ	جمال الجلیل	اشرف السوانح
عمل الذرہ	حسن العزیز	اصلاحی نصاب
غوازل الغضب	حرمات الحدود	اصلاح ذات البین
فروع الایمان	حیاء المسلمین	الاعتصام بحبل اللہ
فضائل العلم والخشیہ	خطبات الاحکام	الافاضات الیومیہ
کمالات اشرفیہ	خیر الارشاد	الاقتصاد فی بحث التقليد والاجتهاد
المال والجاه	دعوات عبدیت	الانسداد للفساد
مجالس حکیم الامت	الدعوة الی اللہ	انفاس عیسیٰ
مقالات حکمت	الدین الخالص	الباطن
ملفوظات حکیم الامت	ذم المکروهات	البدائع ، بوادر النواذر
مناجات مقبول	رجاء اللقاء	بیان القرآن
نسیان النفس		

# امت کے باہمی اختلافات

## اور ان کا حل (۱)

اتحاد و اتفاق کی اہمیت اور اختلاف کی مذمت عقل و نقل کی روشنی میں  
علماء و مشائخ اور دینی مدارس، اور مختلف جماعتوں کے باہمی اختلافات اور ان کا حل

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

== ناشر ==

ادارہ افادات اشرفیہ دو بگا ہر دوئی روڈ لکھنؤ

# امت کے باہمی اختلافات اور ان کا حل

افادات حکیم الامت حضرت تھانویؒ، انتخاب و ترتیب محمد زید مظاہری ندوی

(حصہ اول)

اتحاد و اتفاق کی اہمیت اور اختلاف و فساد کی مذمت ☆ اتحاد و اتفاق اور اختلاف  
فساد کے ظاہری و باطنی اسباب ☆ اتحاد و اتفاق کے حدود و قیود ☆ اختلاف کے اصول  
و آداب ☆ مخالفین و معاندین کے ساتھ برتاؤ۔

(حصہ دوم)

دینی مدارس اور علماء کے باہمی اختلافات اور ان کا حل ☆ ناظم و مہتمم  
و شوری کے اختلافات اور ان کا حل ☆ امامت و نیابت اور جانشینی کے اختلافات اور  
ان کا حل ☆ مختلف جماعتوں و تنظیموں کے اختلافات اور ان کا حل ☆ علماء اور  
مفتیوں کے اختلافات اور ان کا حل ☆ حکام و ملوک کے اختلافات اور ان کا حل۔

(حصہ سوم)

امت کے مختلف طبقات کے اختلافات اور ان کا حل ☆ ہندو مسلم  
اختلافات اور ان کا حل ☆ فرقہ وارانہ فسادات اور ان کا حل ☆ عوام و علماء کا اختلاف اور  
ان کا حل ☆ مقلدین و غیر مقلدین کا اختلاف اور ان کا حل ☆ اہل تبلیغ و اہل مدارس  
و علماء کا اختلاف اور ان کا حل ☆ سلفی و غیر سلفی کے اختلافات اور ان کا حل ☆ اہل حق  
و اہل بدعت کا اختلاف اور ان کا حل ☆ ساس بہو کا اختلاف اور ان کا حل ☆ شوہر بیوی  
کا اختلاف اور ان کا حل ☆ باپ بیٹے، بھائی بہن کا اختلاف اور ان کا حل۔